[illegible]

43 [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] 3 [illegible]

[illegible] 3 [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] 2 [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] 2 [illegible]

[illegible] 43

301 [illegible]

دیباچہ

عورتوں کی بزرگی و تعلیم وغیرہ کے متعلق چند منتشر خیالات

ایک عورت نے سارے گھر کو دھرماتما بنا دیا

کسی دھرماتما آدمی کی لڑکی ایک ایسے سیٹھ دولتمند کے یہاں بیاہ کر آئی جو حد درجہ کا کنجوس تھا۔ باپ کے یہاں لڑکی کی عادت خیرات کرنے اور کتھا وارتا سننے کی پڑ گئی تھی۔ یہاں کچھ اور ہی حال تھا۔ مگر اُس کے دل میں ڈھارس تھا۔ وہ گھبرائی نہیں اور ایشور سے پرارتھنا کیا کرتی تھی تاکہ گھر والوں کا دل بدل جائے۔ اتفاق سے ایک دن کسی سنیاسی کا اس مکان کی طرف سے گذر ہوا۔ اُس نے بھکشا کے لئے آواز دیا۔ لڑکی دروازہ پر بیٹھی تھی "مہاراج! اس گھر میں تازہ کھانا نہیں کھایا جاتا سب باسی کھاتے ہیں۔ اس لئے میں مجبور ہوں" سادھو تو چلا گیا لڑکی کے سُسر نے یہ لفظ سُن لئے۔ اپنی استری کو بُلا کر کہنے لگا "دیکھو۔ تو بہو سادھو سے شکایت کرتی ہے کہ تازہ کھانا نہیں ملتا" یہ سن کر ساس آکر اس کو سخت سُست کہنے لگی لڑکی بولی "ماتا جی غصہ نہ کرو۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اس گھر میں لوگ۔ اپنے پہلے جنم کا دیا ہوا کھاتے ہیں۔ اس جنم میں خیرات نہیں ہوتی" ساس بولی ایسی باتیں نہ کیا کر۔ اس سے گھر کی ناک کٹتی ہے۔ مگر سیٹھ جیا نا

تھا۔ لڑکی کی بات نے اس کے دل پر اثر کیا۔ اس نے حکم دیا کہ بہو سے کہہ دو۔ آج سے وہ چنے کی روٹیاں سادھو سنیاسیوں کو کھلایا کرے لڑکی خوش ہوئی اور وہ اُس دن سے چنے کی روٹیاں خیرات میں دینے لگی۔ اس طرح کرتے ہوئے کچھ مہینہ گذر گئے۔ ایک دن اس نے سوچا سیٹھ کو کچھ اور زیادہ اُپدیش دینا چاہیئے۔ اس نیت سے اُس نے جان بوجھکر چنے کی روٹیاں بغیر دال بھاجی کے صرف نمک رکھکر پروس دیا سیٹھ جھنجھلایا پتر بہو سے تو کچھ نہیں کہا۔ اپنی استری کو بلا کر ڈانٹ بتانے لگا دکیا گھر میں گیہوں کا آٹا اور دال بھاجی نہیں ہے۔ جو مجھ کو سوکھے چنے کی روٹی کھانے کو دی" ساس کو سخت غصہ آیا وہ آکر پھر بہو کو سینکڑوں صلواتیں سنانے لگی۔ جب بڈھیا چُپ ہوئی لڑکی بولی "ماتا جی۔ غصہ نہ کرو۔ پتا جی سے کہو۔ جو جیسا دیگا ویسا پاویگا۔ وہ روز چنے کی روٹی خیرات کرتے ہیں۔ اگلے جنم میں یہی کھانے کو ملیگی اس لئے میں چاہتی ہوں۔ ابھی سے ان کی عادت پڑی رہے۔ یہ بات سُن کر ساس سُسر دونوں کے کان کھڑے ہوئے اور حکم دیا" اچھا جس طرح تمہاری خوشی ہو ویسا خیرات کیا کرو" بہو نے رفتہ رفتہ اسی طرح ان سب کا مزاج بدل دیا اور آخر میں سب دھرماتما ہو کر ست سنگ کرنے لگے اور اچھے آدمی بن گئے پہلے کی خراب عادتیں جاتی رہیں۔ اب ان کے یہاں اتھتی ستکار ہونے لگا سچ ہے اس طبیعت کی لڑکیاں دونوں کل کو تار دیتی ہیں۔ اور ان کا پاک اثر اپنا کام کئے بغیر نہیں رہتا۔

(۱) پریمی ڈھونڈھت میں پھروں پریمی ملے نہ کوئے
پریمی جن سے دریں ملے سب جگ پریمی ہوئے

(۲) جیسی لو پہلے لگی۔ ویسی نبھے اور

اپنے دیہہ کی کو کہے - تارے پرش کرور

(۳) پریم بھاواک چاہیئے - بھیس انیک بنائے
چاہے گھر میں باس کر - چاہے بن کو جائے

(۴) پریمی جن کے درس سے چھوٹے کرم کلیش
پریم بھاؤ اک چاہیئے - کیا گرہی کیا بھیش

(۵) کتھا کیرتن کرن کی - جاکے نس دن ریت
کہیں کبیر وا داس سے - نسچے کیجے پریت

(۶) کتھا کیرتن رات دن - جاکے اودم ایہہ
کہیں کبیر تا داس کے - ہم چرنن کی کھیہ -

بُرے شوہر

ہندوؤں میں عورتوں کی شائستگی اور تہذیب میں اس قدر بُرائی نہیں ہے جس قدر مردوں میں ہے - اور ہم اس کو بہت بڑی برکت سمجھتے ہیں - عورتوں کو کالا اکثر بھینس برابر ہے - مانا وہ انگریزی تہذیب سے ناآشنا ہیں - ان کو دنیا کے حالات سے واقفیت نہیں ہے - مگر پھر بھی ایک طرح ان کی تہذیب مکمل ہے مگر بعض بعض ہندو شوہروں سے ایشور کی پناہ! یہ اپنی بیوی کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں - جو مہذب گروہ میں ہمیشہ قابل اعتراض ہے - سخت سُست کہنا - بیعزتی کے کلمہ استعمال کرنا بے پرواہی سے برتاؤ کرنا تو معمولی بات ہے ان بیچاروں کی زندگیاں تلخ ہو جاتی ہیں - انکے دن نا اُمیدی رنج اور حسرت میں کٹتے ہیں دُنیا انکی ... غمکدہ بن جاتی ہے - اور ہم سمجھتے ہیں - بعض موقعوں پر تو وہ شوہر جیتے جی رنڈاپے کی مصیبتیں بھوگتی ہیں - تاہم ان کی نسبت کو دیکھ

کیسے بردباری اور استقلال سے وہ اپنے دُکھ کو برداشت کرلیتی ہیں اور نالایق شوہر کے برخلاف ایک سخت کلمہ بھی زبان پر نہیں لاتیں۔

ہم نے اپنے ایک رشتہ دار کے گھر میں دیکھا۔ ان کی بیوی لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ محبت کرتی تھی۔ ایک دن ہم نے پوچھا "چاچی! تم کو کیا بیٹے اتنے پیارے نہیں ہیں؟ وہ بولیں "بھیا! تو کیا کہتا ہے! تم سب میری آنکھ کے تارے ہو۔ بیٹے بیٹی دونوں مجھ کو پیارے ہیں مگر میں لڑکیوں کی اسواسطے زیادہ عزت کرتی ہوں تاکہ وہ اپنے ساتھ یہ خیال لے جائیں! وہ کسی نہ کسی کے گھر کی لکشمی ہونگی۔ اگر ان کی دلجوئی اور عزت ماں باپ کے گھر میں ہوگی۔ تو وہ اپنے گھروں میں بھی اپنی عزت قائم رکھ سکیں گی۔ اس کے سوائے تو نہیں جانتا شادی کے وقت باپ۔ ماں۔ بھائی سب لڑکیوں کا پاؤں پوجتے ہیں۔ کیا تو نے کبھی کسی ماں باپ کو بھی اپنے بیٹے کا پاؤں پوجتے دیکھا ہے؟ یہ ثبوت ہے کہ عورتوں کی عزت مردوں سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ عورتیں ننگ و ناموس سمجھی جاتی ہیں۔ گھر کی عزت اُن کی سمجھی جاتی ہے۔ اگر ان کو ذلیل اور بے آبرو رکھو گے۔ تو پھر کیا خاک خاندان کی عزت رہے گی میں اپنے بیٹوں کو ہمیشہ یاد دلاتی رہتی ہوں۔ دیکھو کسی بہن کو مت مارو۔ ایک دن ان کا پاؤں پوجنا پڑیگا۔ اور اس سے وہ صرف اپنی ہی بہنوں کی عزت نہ کرینگے۔ بلکہ جب ان کے یہاں ننھی ننھی پیاری دولہنیں آئیں گی۔ وہ ان کی بھی خاطرداری کرینگے" ہم نے کہا "چاچی" "تم بڑی بدھیمان ہو" وہ ہنسنے لگیں۔

کاش اگر اور گھروں کی ماتائیں اس طرح اپنی بیٹیوں کی تعلیم کرتی ہیں تو شریف ہندوؤں کے گھروں میں کبھی بدسلوک اور تند مزاج شوہر نہ پیدا ہوں

مرتی ہوئی ماں کی بات کا اثر

ایک ضعیفہ جس وقت مرنے لگی۔ اس کے بال بچے کھاٹ کے ارد گرد کھڑے تھے۔ اُس نے اپنے لڑکوں کو ایک ایک کر کے پاس بلایا اور سب کو یہی نصیحت کی کہ تم لوگ سچے اور دھرماتما بنو۔ جب اس کا بڑا لڑکا سامنے آیا ضعیفہ کے ہاتھ میں رعشہ تھا اس نے بیٹے کا ہاتھ پکڑ لیا اور رو کر کہنے لگی "پتر! میں سنسار سے جا رہی ہوں لیکن شریر تیاگنے سے پہلے تم سے ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں تم اس وقت اپنی مرتی ہوئی ماں کے سرہانے اقرار کرو کہ تم آجتک کے سارے عادات ترک کر دوگے اور سچے دھرماتما بنو گے" لڑکے نے پس و پیش کیا۔ کیونکہ اس کی زندگی قابل اعتراض تھی۔ ماں کی بات سنتے ہی وہ کانپ گیا۔ خاموشی سے گردن نیچی کئے ہوئے دو چار لمحے سوچتا رہا آخر اُس نے نظر اُٹھا کر سچے دل سے خوش ہو کر ماں سے کہا میں تیرا حکم بجا لاؤنگا۔ کمزور۔ نیم جان۔ ماں کھاٹ پر خوشی سے اُچھل پڑی! اسکا چہرہ جلال کے نور سے چمک اُٹھا اور اس نے مسکرا کر کہا "پتر! تو آج میری کوکھ سے پیدا ہوا تو ہمارے خاندان میں برکت لائیگا میری تسلی ہو گئی۔ لے اب میں جاتی ہوں" اور عورت نے شانتی کے ساتھ دنیا سے کوچ کیا۔

لڑکے کی حالت ماں کے مرنے کے بعد بدتر ہو گئی۔ وہ رات دن سچے دل سے دعائیں مانگتا رہا۔ آخر جب کئی دن گذر گئے وہ سب جگہ آنے جانے لگا۔ اس کی حالت میں عجیب و غریب تبدیلی آ گئی۔ پورانے بہت احباب پاس آتے۔ مگر وہ سب سے کنارہ کش ہوتا گیا۔ تاہم ایک مرتبہ وہ ان کے اثر میں آ گیا۔ اور قریب تھا کہ وہ پھر اپنی قدیم عادتوں کیطرف

رجوع ہوتا عین اسی وقت اس کی خیالی آنکھوں کے سامنے مرتی ہوئی ماں نظر آئی اور اس نے بسختی لہجہ میں کہا "پتر! تیرا وعدہ کدھر گیا۔ لڑکا اسی وقت اپنے دوستوں کی صحبت سے بھاگ گیا اس تاریخ سے پھر کبھی بدی کی طرف مائل نہیں ہوا۔ اس کی زندگی سدھر گئی۔ اور سچ مچ اس کی وجہ سے خاندان میں برکت آئی۔

لکچر میں نہیں نہ انجمن میں ڈھونڈو
تعلیم نہ وعظ دے سخن میں ڈھونڈو
اصلی اصلاح کا جو گر ہو مطلوب
سچی ماتاؤں کے بچن میں ڈھونڈو

پریسیڈنٹ روزولٹ کی دولت

پریسیڈنٹ روزولٹ نے شہر واشنگٹن کے اندر گریجوایٹ عورتوں کی کلب میں حسب ذیل تقریر کی تھی :-

تم انتظام خانہ داری کے فرائض کا آیڈیل ہمیشہ نگاہ کے سامنے رکھو۔ تمہارا آیڈیل باہمی خدمت کا اس طرح ہو کہ تم اپنی عزت اور خودداری کو قائم رکھو۔ پہلا سبق جو ہر شخص کو سیکھنا چاہیئے۔ بیغرضانہ خدمت اور دوسروں کی بابت غور کرنے اور دوسروں کی نظر میں ہر دلعزیز بننے کا ہے کوشش کرو تم کس طرح اوروں کے لئے مفید بن سکتی ہو۔ لیکن یاد رکھو اس بغرض بیغرضانہ خدمات کا کبھی کوئی نیک نتیجہ نہ ہوگا۔ اگر تم عقل سے کام لینا نہیں جانتی ہو خواہ اپنے سلف ریسپکٹ کو نہیں قائم رکھ سکتی ہو۔

تم بحیثیت ماں لڑکے و لڑکیوں کے ساتھ اپنا فرض نہیں ادا کرتی ہو

اگر تم ان کو خیال نہ دلاتی رہو کہ یہ دنیا حد درجہ کی سخت ہے اور وہ اُس میں رہ کر کبھی سہولیت و آسانی سے اپنا کام نہیں کر سکتے ہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم ذہن نشین کراتی رہو۔ کہ اپنی وقعت رتبہ اور ہستی کے قائم رکھنے کے لئے ان کو جد و جہد کرنا پڑیگا۔ ان کو لڑائیاں لڑنی ہونگی اور اس پر بھی ان کو اوروں کا خیال رکھنا لابدی ہوگا۔

کوئی مرد معاف نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اپنی طاقت کے کثیر حصّہ کو متعلقین و ماتحتین کی روزی کمانے کے لئے صرف نہیں کرتا۔ کوئی عورت معاف نہیں کی جا سکتی۔ اگر وہ مرد کی کمائی کا بہتر استعمال کرنا نہیں جانتی اور روپیہ کو خاندان کے ممبروں کے آرام و آسائش کا باعث نہیں بناتی عورتوں کا فرض ہے وہ سوچتی رہیں گھر کی اصلی ضرورتیں کیا ہیں۔ اور جب تم اس حد تک پہنچ جاؤ۔ میری سمجھ میں سو میں سے ننانویں حصّے کی خوشی روپیہ جمع کرنے کے علاوہ اور باتوں میں ہوا کرتی ہے۔

دولتمند آدمی قوم میں بہت مفید کام کر سکتے ہیں۔ مگر اُن سے اتنا فائدہ کمیونٹی کا نہیں پہنچتا جس قدر محنت کش آدمی روپیہ کمانے کے برخلاف زندگی مختلف ڈیپارٹمنٹ میں کوشش کرتے ہوئے اس کو خوشتر و بہتر بناتے ہیں۔ کسی حد تک نوجوان مرد و عورت کیلئے کافی روپیہ کا ہونا ضروری ہے۔ اور جب اس حد تک کامیابی حاصل ہوگئی وہ انسان کی خوشی کے لحاظ سے پھر اس قدر اہم نہیں معلوم ہوتا آخر میں اس کا جادو بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ اور محض روپیہ کو روپیہ سمجھکر کمانا ایک قسم کی بُرائی معلوم ہونے لگتی ہے ✦

شادی کا اثر

شادی کرنے کے جہاں دوسرے مقاصد ہیں۔ وہاں ایک یہ بھی غرض ہے کہ انسان خوش رہے مگر یہ خوشی اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جبتک عادت کو درست نہ کر لیا جائے۔ اور استری کے ساتھ زیادہ دن تک زندگی بسر کرنیکا موقعہ نہ ملے۔ عورت اس وقت تک اصلی خوشی کا سامان نہیں بنتی جب تک اس کو زیادہ عرصہ تک رنج و راحت میں شریک ہونیکا موقعہ نہیں ملتا ہے۔ استری پورش کیلئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے نیک و بد عادات کو اچھی طرح سمجھ لیں اس کا نتیجہ انکے درمیان گہری دوستی و محبت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور ایک دوسرے کو اپنے حرکات و سکنات کی اصلاح کا خیال بھی رہنے لگتا ہے۔ یورپین کی شادیاں نناوہیں چالیس دلخراش ثابت ہوتی ہیں۔ اور وہ عدالتوں میں طلاق کی صورت میں ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن ہندوؤں میں سو میں ننانوے شادیاں مبارک ثابت ہوتی ہیں۔ یورپ میں کورٹ شپ کا رواج ہے۔ ہندوستان میں ماں باپ شادیاں کرتے ہیں۔ یورپ والے سمجھتے ہیں یہ اندھوں کی شادیاں زندگی کی غرض کو پورا نہ کرتی ہونگی ان میں الفت و محبت کہاں ہوگی ؟ مگر ہم میں سے ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ اگر کسی جگہ دنیا میں گرہست آشرم کا سکھ دیکھنے میں آیا ہے۔ تو وہ ہندوؤں کا ہی گھر ہے جہاں عورت سچی قربانی کی زندگی بسر کرتی ہے اور ایثار نفس کی جیتی جاگتی مثال بن کر دکھلاتی رہتی ہے کہ استری جاتی کی اصلی شان یہ ہے اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ قدیم روایات اور اطوار کا اثر عورتوں کو سلیم الطبع بنا دیتا ہے اور کچھ نوجوان تعلیم

وہ خاوند کی ذات کو اپنی تمام کشش کا مرکز بنا لیتی ہیں۔ یہ ہندو عورت ہی ہے۔ جو کہا کرتی ہے۔ کہ میرا اوگدھ کرم وسرتک سنسکار اپنے پتی کے ہاتھ سے ہو۔ یورپ کی بیویاں خاوند کیلئے ڈرائونی صورتیں ہیں۔ ان کا طرز معاشرت اس خاص معاملہ میں ہمارے مقابل غیر مکمل ہے۔ ہندو استریاں سچی دیویاں ہیں۔ وہ قوم کی سچی محافظ اصلی سرپرست اور دہرم کی رکشک ہیں۔ اگر یہ دیویاں ایسی نہ ہوتیں تو آج ہندو جاتی کا کیا حال ہوتا!

مرد عورت کے تعلقات بھی کیسے غور کرنے کے قابل ہیں۔ اس میں طاقت اُس میں حسن ہے۔ اس میں بھدا پن اُس میں لطافت ہے۔ وہ دشمنوں سے لڑتا ہے۔ کھیت میں کام کرتا ہے۔ دفتروں کی محنت میں لگا رہتا ہے۔ یہ اس کی سچی ساتھی بنی ہوئی کھانے پینے کا انتظام کرتی رہتی ہے اور خوشی کے ضروری سامان کو مہیا کرتی ہوئی اس کی زندگی کو خوشگوار اور شیریں بناتی ہے۔ وہ لڑتا جھگڑتا بھی ہے۔ عورت اسکے مزاج کو اپنی خوش کلامی سے درست کر دیتی ہے۔ اسکی زندگی کٹھن ہے۔ کلفت اور مصیبت کی زندگی ہو۔ مگر نیک اور پاکدامن عورت کی قربت میں وہ سارے رنج بھول جاتا ہے اور اسکی نزدیکی ہی تسلی و تشفی کا باعث بن جاتی ہے عورت کے بغیر مرد وحشی۔ نکما۔ بدمزاج۔ تنہائی پسند اور چڑچڑا ہوتا ہے جس طرح لمبے اور شاندار آم کے درخت سے ایک ملائم بیل لپٹی ہوئی اپنے پھولوں سے اسکے تنہ کو معطر کرتی رہتی ہے اسی طرح عورت مرد کے ارد گرد خوشی اور مسرت کے سامان بکھیرتی ہے۔ مرد اسکے بغیر آدھا ہے اور یہ آدھا بھی اچھا نہیں۔

لکشمی اور سرستی ہیں سنسکرت کی لغت میں جتنے الفاظ انسانی خوبیوں کیلئے موضوع ہوتے ہیں۔ بلا استثنا سب جنس تانیث ہیں۔ کیا عجب لغت کے بنانے

والوں نے عورتوں ہی کو خوبیوں کا مجمع سمجھا ہے۔ گرہست دہرم پالنے والو !

زن خوب فرمان برو پارسا
کند مرد درویش را پادشا
برو پنج نوبت بزن بر درت
کہ یار موافق بود در برت

عورت مرد کی تمام کشش و دلچسپی کی مجسم دنیا ہے اور جیوں جیوں زندگی ڈھلتی جاتی ہے اس کی قدر منزلت معلوم ہوتی ہے۔

عورتوں کی تعلیم

مدرسہ نسواں جو جابجا کھلے ہیں۔ ان میں عورتوں کی تعلیم اگر زباندانی کے سوا کوئی مفید بات اور وہ بھی بہت کمی کے ساتھ سکھائی جاتی ہے تو کھانا پکانا اور سینا پرونا ہے۔ مگر خانہ داری کا کام اتنے ہی تک محدود نہیں ہے۔ یہ مضمون بڑا وسیع ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کنیا پاٹ شالاؤں کے معلمین کو بابت خود لڑکیوں کے کھیل کود کے حالات معلوم ہیں یا نہیں جس سے ہماری مراد گڑیوں کے کھیل سے ہے جس کے سلسلہ میں وہ خانہ داری کی تمام باتوں کو سیکھ جاتی ہیں۔ ہماری سمجھ میں اگر کسی طرح اس طریقہ کا رواج اصلاح شدہ قاعدہ کیساتھ لڑکیوں کی پاٹ شالا میں جاری کر دیا جاتا تو بہت بڑی کمی پوری ہو جاتی وہ کھیل کود میں ساری رسم ادا کرتی رہتیں اور بآسانی جان جاتیں کہ عورتوں کو کیا کرنا ہوتا ہے۔ سفینہ (کتابوں) کا علم اس قدر کبھی مفید نہیں ہو سکتا۔ جتنا سینہ کا ہوتا ہے۔ ہم افسوس کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ تعلیم عورتوں کو بمقابلہ پہلے کے دوسروں کا زیادہ محتاج بنادیگی عورتیں

اصلیت نہیں بلکہ نمایش آجائیگی۔ وہ مردوں کی طرح اسپیچ دینا زیادہ پسند کرنے لگیں گی۔ اور اصلی مقصد ان کی تعلیم کا مفقود ہوجائیگا۔ جن لوگوں کو اس خاص واہم مضمون سے دلچسپی ہے وہ اس کو ضرور نظر کے سامنے رکھیں +

گھر کا انتظام

لڑکیوں میں خانہ داری کے معاملات کی ناواقفیت ناقابل معافی جرم ہے۔ اور جو عذرات اس کے چھپانے کے لئے گئے جاتے ہیں وہ اور بھی زیادہ سخت اور تکلیف دہ معلوم ہوتے ہیں۔ لوگ کہا کرتے ہیں۔ گھر کا کام کاج سیکھ لینا آسان ہے۔ جب سر پر پڑیگی۔ آپ ہی آجائیگا ہر کام کاج کو سیکھ لیتا ہے۔ شادی ہوجانے پر جب سر پر بھیڑ پڑے گی آپ سیکھ لیں گی۔ مگر یہ خیال بالکل غلط اور نکما ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی۔ جیسے کوئی نوجوان شخص کہے۔ میں کوئی پیشہ نہیں سیکھتا جب وقت آئیگا نوکر ہوجاؤنگا اس وقت سیکھ لونگا۔ یا جب شادی ہوجائیگی۔ بال بچوں کی پرورش کا وقت آئیگا۔ نوکری کر لونگا۔ اور سب کچھ آجائیگا۔ مگر ہر شخص سمجھ سکتا ہے ایسے لوگ زندگی میں بمشکل کامیاب ہونگے جو عورت شادی ہونے کے بعد خانہ داری کے تعلقات سیکھنے کی شائق ہے۔ ممکن ہے وہ وقت پر دو چار مہینہ کے عرصہ میں سب کچھ سیکھ لے۔ مگر ماں کے زیر ہدایت وہ زیادہ پختگی اور آسانی سے سب فروعات و تفصیلوں پر حاوی ہوسکیگی۔ ہمارے اپنے گھروں میں اگر پرانی عورتیں لڑکیوں سے کہا کرتی تھیں اری تو ہم پر ہنسوائیگی تیرے سسرال کے لوگ کہینگے اس گھر کی استریاں اچھی نہیں تھیں۔ ورنہ لڑکی کو کچھ تو گن ڈھنگ سکھلاتیں؛ اور ہم تجربہ سے دیکھتے ہیں یہ باتیں آگے

آرہی ہیں۔

شریف ہندوؤں میں اب یہ خیال پیدا ہوتا جاتا ہے کہ لڑکیوں کو کیوں ناحق یہ سب سکھایا جائے۔ مگر لڑکیوں کو خانہ داری کے کام سے ناواقف رکھنا ان پر و قوم پر ظلم کرنا ہے۔ یہ واقفیت ذلت نہیں بلکہ ہر عورت کیلئے خواہ وہ کسی رتبہ و حیثیت کی ہو عزت سمجھنی چاہیئے ایشور جانے کب کیسا وقت آجائے +

خوبصورت ہاتھ

تین شریف عورتیں اپنے اپنے ہاتھ کی خوبصورتی کی نسبت جھگڑا کر رہی تھیں ایک تو دریا کے کنارے بیٹھی ہوئی دم پر دم اپنا ہاتھ پانی میں دھویا کرتی۔ دوسری کے ہاتھ میں گلاب تھا۔ اور تیسری کا بنفشہ کے پھول کی خوشبو سے معطر تھا +

ایک غریب عورت اس طرف سے گذری شریف زادیوں نے اس کے سامنے اپنا جھگڑا پیش کیا۔ عورت نے کہا میں بھوکی ہوں کچھ کھانے کو دو۔ تب میں اپنا فیصلہ سناؤں گی تینوں نے انکار کر دیا۔

تھوڑی دور فاصلہ پر ایک منکسر المزاج عورت بیٹھی ہوئی تھی اس نے غریب عورت کو پھل وغیرہ پیش کئے اور جب وہ آسودہ ہو کر کھا چکی ان عورتوں سے مخاطب ہو کر بولی ہاں اب اپنا اپنا ہاتھ دکھلاؤ میں تم کو بتلاؤنگی کہ کونسا ہاتھ دراصل اچھا ہے"

ہر سہ شریف زادیوں نے اپنا اپنا ہاتھ دکھایا۔ غور کرنے کے بعد اس عورت نے جواب دیا نہ یہ ہاتھ اچھا ہے جو ہمیشہ پانی سے دھویا جاتا ہے۔ نہ یہ ہاتھ جو

ہے جس کی خوبصورتی گلاب سے عاریتاً لی گئی ہے۔ اور نہ یہ اچھا ہے جو بنفشہ کی خوشبو سے معطر ہے۔ اچھا ہاتھ وہ ہے جس نے ابھی ایک بھوکے کو کھانا کھلایا ہے!!

شریف زادیاں یہ فیصلہ سُن کر دم بخود ہوگئیں۔ کیونکہ واقعی وہ سچا فیصلہ تھا

شادی

شادی بھی دنیا کی اور حالتوں کی طرح خوشی و رنج سے خالی نہیں ہے شہد میں بعض وقت تلخی بھی ہوتی ہے۔ مگر نسبتاً شیرینی زیادہ رہتی ہے طرفین کے لئے ضروری ہے کہ ذرہ ذرہ باتوں پر اس قدر زیادہ ملکدر خاطر نہ ہوجایا کریں اصل بات یہ ہے۔ عورتیں بالعموم نیک ہوتی ہیں۔ ہندو میں بہا نوے عورتیں ایسی ملینگی۔ جو اپنے عیش و آرام کو شوہر و اولاد کے اوپر نثار کرنے کو ہر وقت تیار ہیں۔ وہ فطرتاً آزمائش کے وقت ہر قسم کی سختی اور تکلیف کو عجیب طور سے برداشت کر لیتی ہے۔ مگر کہاں؟ جہاں محبت کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ماں بیمار بچے کے سرہانے رات دن بیٹھی رہتی ہے۔ چاہے اس کو تکلیف ہو ضرور کی شکایت ہو مگر اُف تک نہیں کرتی۔ شوہر کی فرمانبرداری میں اُسی جان سے حاضر رہتی ہے۔ اور جب کبھی معصوم ریاکاری کا بھی قصور ان کی ذات سے سرزد ہوجاتا ہے۔ تب بھی اس میں کسی عزیزہ لخت جگر کی بہبودی منظور نظر رہتی ہے اور ہر طرح نظر انداز کرنیکے قابل ہے۔ اگر مرد اس محبت و ہمدردی کا عوض بیویاں حقیقۃً کبھی معاوضہ دینے کو تیار ہیں۔ تو گھر رنج و مصیبت کا گذرگاہ نہ بنے۔ مگر ہماری بد اخلاقی و ناقص طرز معاشرت ہم کو اس قابل نہیں بننے دیتا۔ کہ ہم گرہستہ آشرم کے سکھ کو اچھی طرح بھوگ سکیں۔

پھر بھی ہم اپنے ذاتی تجربہ سے کہنے کیلئے تیار ہیں کہ اکیلے رہنے سے شادی کا تعلق ہزار ہا درجہ بہتر و مفید تر ہے اور انسان کی روحانی ترقی میں بھی اس سے کوئی خلل نہیں پیدا ہوتا۔

ایک کمسن عورت نے اپنے شوہر کو خواندہ بنا دیا

جب ہم کائستھ پاٹ شالہ الہ آباد میں تعلیم پا رہے تھے۔ ایک اور لڑکا ہم سے دو تین کلاس اونچا تھا۔ اس کی عمر زیادہ تھی ہنسی ہنسی میں ہم اس سے پوچھنے لگے کیوں بھائی! تمہاری عمر تو بہت زیادہ ہو گئی۔ کیا وجہ ہے تم کو اب پڑھنے کا شوق ہوا ہے؟ اس نے پہلے تو بات چیت کرنے میں پس و پیش کیا پھر کہنے لگا "یہ سوال نہ کرو مجھے اس سے دکھ ہوتا ہے" میں نے کہا "بھائی! ضرور بتاؤ کیا سبب ہے؟" چونکہ وہ ایک طرح پر ہمارا مشیر بن گیا تھا کہنے لگا "سنو! لڑکپن میں میں اپنے ماں باپ کا لاڈلا تھا پڑھنے لکھنے سے جی چراتا تھا۔ باپ تو مدرسہ بھیجنے کی تاکید کرتا تھا۔ مگر جب ماں مجھ کو روتا ہوا دیکھ لیتی وہ باپ کے برخلاف کبھی کبھی میری حمایت کر بیٹھتی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے سولہ برس کی عمر تک کچھ بھی نہیں پڑھا۔ لکھا۔ سولھویں برس میری شادی ہو گئی جس لڑکی سے میرا بیاہ ہوا ہے وہ پڑھی لکھی ہے میں جب اسکے پاس گیا۔ سب سے پہلے اس نے میرے پڑھنے لکھنے کا حال پوچھا جب میں نے کہا "کہ میں نے کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوں اس کو سخت تعجب ہوا۔ وہ کہنے لگی۔ تم کائستھ جیسے ہو جو اب تک کچھ بھی نہیں پڑھا ہے۔ میں خود ہندی اور اردو جانتی ہوں۔ اگر اور ذات کے ہوتے تو شاید تمہارا گذر ہو جاتا مگر جاہل کائستھ کیا کام کرے گا۔ اس سے بہتر ہے

تم آج ہی سے پڑھنا لکھنا شروع کر دو۔ اس لڑکی نے یہ بات نہایت سادگی سے کہی تھی۔ مگر اس نے میرے دل پر گہرا اثر پیدا کیا۔ میں اسی وقت اس کے پاس سے چلا آیا اور رات بھر فکر میں رہا۔ اتفاق سے منشی کالی پرشاد صاحب مرحوم نے اسی سال کائستھ پاٹ شالا کی بنیاد ڈالی تھی۔ میں صبح کو لکھنؤ سے الہ آباد کو چلا آیا اور آج کئی برس سے یہاں پڑھ رہا ہوں "

یہ ایک سچا واقعہ ہے۔ اس سے یہ بات بہ آسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر عورت چاہے تو اپنے مرد خواہ اولاد کو بہ آسانی نیک راستہ پر لا سکتی ہے جو قوم کی سوشیل حالت درست کرنا چاہتے ہیں سب سے پہلے ان کو عورتوں کی تعلیم وغیرہ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

راجستھان کی بیررانیاں

ویرمتی

ایک بھروسا ایک بل۔ ایک آس۔ بشواس
سوانتی سیلل گورو چرن ہیں چاترک تلسی داس (پاپی)
ونا وچار کا کھیل ہے۔ جھوٹا جگت پسار
جن بچارے بیتی نا لکھا۔ بوڑھے کالی دھار
تلسی۔ کٹہن چل بسے۔ رتی شستی بسے اکاس ([illegible])

جو جا کے من میں بسے۔ سو تا ہی کے پاس

دھارانگر کے راجہ اُدیاتیہ کی دو رانیاں تھیں۔ ایک سولنکنی اور دوسری بگھیلنی بگھیلنی چھوٹی اور سولنکنی بڑی تھی۔ اور جیسا کہ ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔ چھوٹی رانی کا رُخ راجہ پر حاوی تھا۔ اور وہ اتنا اس رانی کے پنجہ میں گرفتار ہو گیا تھا۔ کہ اس کے حکم کے بغیر ایک قدم بھی جنبش نہیں کر سکتا تھا۔ ان دونوں رانیوں کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ سولنکنی کا لڑکا جگدیو بڑا تھا۔ بگھیلنی کے بیٹے کا نام رن دھول تھا۔ ان دونوں میں جگدیو بڑا ہونہار بردبار۔ خوددار اور ہمت والا تھا۔ اس کی شادی ٹونک ٹوڈا کے راج کنیا ویرمتی سے ہوئی تھی۔ جس کا قصہ ہم یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں ✢

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ راجہ ادیادیتہ بڑے بیٹے سے خوش ہوا اُس کو انعام میں گھوڑے جوڑے ڈھال تلوار اور ایک ہیرے کے دستہ کی کٹار بخشی۔ راجہ کے اس سلوک سے نہ صرف جگدیو خوش ہو گیا بلکہ دھارا نگری کے تمام رہنے والے سکھی ہوئے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب حقدار جگدیو کے استحقاق کو اب کوئی صدمہ نہ پہنچے گا۔ مگر یہ دنیا عجیب ہے۔ اس کے کاروبار نرالے ہیں۔ کسی نے بگھیلنی کو بھی خبر پہنچا دی کہ آج راجہ نے جگدیو کو اپنا منظور نظر بنا لیا اور اپنی خاص خاص چیزیں اس کو انعام میں دیں جو بہت قیمتی اور نایاب ہیں۔ بگھیلنی کے تلووں سے آگ لگ گئی۔ وہ اسی وقت راجہ کے پاس پہنچی۔ کہنے لگی کیا آپ جگدیو کو راج دینا چاہتے ہو۔ خیریت اسی میں ہے کہ سب چیزیں ابھی واپس لے لی جائیں اور میرے بیٹے کو ملیں ورنہ ابھی سے پرجا کی حمایت اور طرفداری جگدیو کے ساتھ ہو گی اور رن دھول کو نقصان

پہنچیگا۔ زن مرید راجہ نے دل میں بہت پچھتاپ کھایا۔ رانی کو سمجھایا اس طرح کے سلوک سے سخت بیعزتی ہوتی ہے۔ پھر کوئی راجہ کا اعتبار نہیں کرتا۔ مگر رانی کب ماننے والی تھی۔ اس نے ایسا مکر کا جال تن دیا۔ کہ راجہ کو اس کی بات ماننی ہی پڑی۔ اُس نے بڑے بیٹے کو بلا بھیجا۔ پتر اجین نے جو کچھ آج تجھ کو انعام میں دیا ہے تو اگر میری زندگی چاہتا ہے۔ تو واپس کر دے تو کشتری کا بیٹا ہے۔ باپ کے ساتھ ہٹ کرنا ٹھیک نہیں۔ جگدیو سمجھدار تھا اسکی عمر پندرہ سولہہ برس سے زیادہ نہیں تھی۔ مگر وہ جان گیا کس وجہ سے انعام واپس لیا جارہا ہے۔ تلوار اور کٹار دونوں کمر سے بندھی ہوئی تھیں اس نے اسی وقت ان کو علیحدہ کر کے تعظیم کے ساتھ باپ کے قدموں میں رکھ دیا۔ پتاجی! یہ لیجئے یہ آپ ہی کی تو چیزیں ہیں۔ مجھے ہٹ کیوں ہو میں کبھی نہیں چاہتا کہ آپ کے آرام میں خلل آوے۔ نہ میں کبھی فساد کا باعث ہونا بہتر سمجھتا ہوں باپ کی تعظیم کر کے وہ وہاں سے چلا آیا۔ اور شاہی تخت مع گھوڑے کے سب کا سب واپس کر دیا۔ مگر آخر تو وہ انسان تھا! پھر بھی راج پتر اسوچنے لگا۔ ماں باپ کا حکم ماننا مناسب اور ضروری ہے مگر بیعزتی کی زندگی برداشت کرنا کشتری کے اصول کے برخلاف ہے۔ وہ زندگی نہیں ہے جس کی ہر وقت بے عزتی ہوتی رہے۔ پرماتما نے مجھکو ہاتھ پاؤں دیئے ہیں۔ پوار نے راجاؤں کا سنسکار مجھ کو وراثت میں ملا ہے۔ کیوں دوسرے راج میں چلکر اپنی معاش کی فکر نہ نکالیں۔ اپمان میں ایک گھنٹہ کے لئے بھی رہنا میرے واسطے برا ہے۔ وہ ہنستا ہوا ماں کے پاس آیا ماں نے سمجھا باپ کی مہربانی سے اسکو خوشی ہوئی ہے وہ کہنے لگی بیٹا جگدیو! آج کیسے ہنس رہے ہو! بیٹے نے کہا ماتا! تیرا حکم لینے آیا ہوں۔

(۱) پان پدارتھ۔ سو گھڑ نر۔ توں نے بنا بکائے وزن کے بغیر
جیوں جیوں نیچ گھر پری ہریں تیوں تیوں مول بڑھائے چھوڑ دیں

(۲) سنگھوں کے لہنڈے نہیں۔ ہنسوں کی نہیں ڈھیر گروہ چاند
مالیں کی نہیں بوریاں ایک جگہ نہ ہوئیں گھیر جواہرات بہادر

(۳) رہئیے پربت شکھر پر بیچئے پٹّن پاس
وہاں نر رہئیے بیر نر۔ جہاں مان کو ناس

(۴) گھر میں کبھوں نا ہیں۔ تام۔ مان۔ ننو نارہ
جب ہی جائے بدیس نر پائے مان اور دھن
یوا اوستھا جائے جیوں تروَر کی چھاں
ساہس کر کر چترتھ۔ سنگرہ رہ کر ان
اوسر بیتے کچھ نہیں۔ سبھے بہت سنتاپ
سمے برتھا نہیں کھوئیے کیجے ساہس آپ
گھر بیٹھ اوگن تین ہیں جن بیجئے سب کو سے
رن بار ھے۔ ساہس گھٹے نام۔ مان نہیں ہوئے

۷ دولت
۸ جوانی ۹ درخت
۱۰ موقعہ
۱۱ فضول

جگدیو کہنے لگا۔ ماتا! اب گھر رہنے میں میری بھلائی نہیں ہے تو آگیا دے میں پردیس میں جا کر چاکری کروں گا۔ اور اپنی روٹی آپ پیدا کروں گا ماں کی ممتا کٹھن ہوتی ہے۔ اس نے بیٹے کو گود سے چمٹا کر کہا جو تو کہتا ہے سچ ہے۔ کشتری کے بالک کو اپنی جگہ میں رہنا کدا پی اچت نہیں پر ابھی تیری عمر تھوڑی ہے۔ پرائے دیس میں کیسے اکیلے رہ سکیگا میں بھی تیرے ساتھ چلتی۔ مگر بہنی کا چرن اچھوڑنا ستری کے لئے کبھی پرشسنہ نہیں ہے مجھ کو کیوں تیری اوستھا سے ڈر لگتا ہے۔ جگدیو نے جواب دیا ماں! اشیہ

پرمیشور سے رکھ۔ جو بالک کے پیدا ہونے سے پہلے ماں کے پتھنوں میں دودھ پیدا کر دیتا ہے وہ ہماری رکھوالی کریگا۔ اس کی مجھ کو تو کچھ بھی چنتا نہیں ماں نے کہا اچھا۔ جو تجھ کو مناسب ہو وہ کر میں روک کر تیری زندگی کو خراب نہیں کرنا چاہتی ہوں

ماں کی بات سن کر بیٹے نے پیٹھ سے ترکش۔ کندھے سے کمان۔ اور کمر سے تلوار باندھی۔ اور اشرفیوں کا ایک توڑا ساتھ لے لیا اور ماں کے پاؤں کو چھو کر تن بہ تقدیر گھوڑے پر سوار ہوا اور اکیلا پردیس کی طرف چل نکلا۔ اس کا رخ ٹونک ٹوڈا کی طرف تھا۔ جب وہ اس راج میں پہنچا اپنی اس حالت سے کسی کو واقف کرنا مصلحت نہیں سمجھا۔ شہر کے باہر ایک وسیع اور خوبصورت باغ تھا وہ اس کے بھیتر چلا گیا۔ گرمی و برسات کے دن تھے۔ دھوپ اور سایہ کا وقت تھا۔ وہ ایک درخت کے تلے گھوڑے کا چارجامہ بچھا کر وہیں لیٹ رہا نیند آ گئی اور پھر اس کو خبر نہیں رہی۔ کہ کہاں ہے اور کیا ہو رہا ہے +

اتفاق وقت یا اس کی خوش قسمتی! ویرمتی اس کی خاص عورت اپنی سہیلیوں کے ساتھ باغ میں سیر کرنے کے لئے آئی تھی۔ شادی ہوئے چار برس گذر رہے تھے۔ چونکہ عمر دونوں کی کم تھی اس لئے اب تک ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ لڑکی کے چہل پہل اور الہڑپن کے دن تھے۔ وہ باغ میں ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔ ساتھ کی سہیلیاں برسات کے گیت گا رہی تھیں۔

اتنے میں ایک سہیلی اس طرف آ نکلی جدھر راجکمار سو رہا تھا۔ اس عرصہ میں کچھ آسمان سے بوندیں بھی برسنے لگیں تھیں مگر سونے والا اس قدر

گہری نیند میں تھا کہ اس کو اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہیں تھا۔ سہیلی اس کے پاس آئی۔ غیر مرد کا شاہی باغ میں چلا آنا تعجب کی بات تھی وہ غور سے اس کے مُنہ کو دیکھنے لگی۔ پھر گھوڑے کے اور اس کے ساز کو دیکھا وہ دیر تک سوچتی رہی۔ یہ کون نوجوان ہے آخر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی علامت ظاہر ہوئی اور دوڑ کر وہ ویرمتی کے پاس جا کر قہقہ مار کر کہنے لگی "بائی جی! تمہارا دولہا تم کو لینے آیا ہے۔ اچھا سجیلا و بانکا جوان ہے" ویرمتی ناراض ہو کر کہنے لگی "چل تو نے میری جڑ نکالی ہے جب دیکھو تب ایسی باتیں کرتی رہتی ہے" اس نے کہا نہیں میں اس دفعہ ہنسی نہیں کرتی ہوں۔ چل تجھ کو دکھا دوں وہ سو رہے ہیں" بھولی بھالی لڑکی اس کی باتوں میں آ کر چنبیلی کے درخت کی آڑ میں اس کو دیکھنے لگی اس وقت جگدیو جاگ اُٹھا تھا۔ اور بیٹھا ہوا کچھ سوچ رہا تھا۔ ویرمتی اُلٹے پاؤں چلی گئی "ہائے سچ مچ! یہ کہاں سے آ گئے!" اس کو سخت تعجب ہوا۔

سہیلی جرأت کر کے راجکمار کے پاس پہنچی "مہاراج! آپ کا شبھ اگمن ہم سب کے لئے دھنیہ ہے۔ آپ اکیلے کیسے آئے۔ اور لوگ کہاں ہیں۔"

راجکمار بولا "میں نوکری کی تلاش میں پردیس میں جا رہا ہوں۔ راہ کے سفر سے سستی آ گئی تھی اس لئے یہاں ٹھہر گیا تھا۔ اب گھوڑے کو کس کر اپنی راہ لوں گا" راجکمار کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ یہ شاہی محل سے تعلق رکھتی ہے سہیلی نے کہا "آپ ذرا ٹھہریں میں ابھی آتی ہوں" یہ کہکر وہ ویرمتی کے پاس آئی۔ اس کو ساتھ لیکر محل میں گئی۔ اور راجہ رانی سب کو جگدیو کے آنے کی بدھائی دی۔ جگدیو اپنے گھوڑے کو مل کر چار جامہ باندھ رہا تھا کہ اس کا چھوٹا سالا بیر سنگھ مہمانداری کا سامان لئے ہوئے آ پہنچا اور اس کا پاؤں

چھو کر کہنے لگا۔ آپ کچھ دنوں تک یہاں قیام کیجئے۔ جلدی نہ کیجئے۔ پتاجی سے فرمایا ہے پانچ دن بہت نہیں ہوتے ہیں۔ آخر ہمارا بھی تو آپ پر کچھ حق ہے"۔ راجکمار نے کہا "مجھے ہٹ نہیں نہ میں ضد کرنا چاہتا ہوں میں سفر میں ہوں۔ لیکن اگر تمہاری خواہش ہے تو میں ٹھہرنے کو تیار ہوں۔

اس کے بعد اُسی باغ میں اُس کے آرام کے لئے خیمہ کھڑا کیا گیا اور مہمانداری کی ساری رسمیں ادا ہوئیں شام کے وقت وہ محل میں جاکر اپنے والدین اور سسر سے ملا۔ ٹونک ٹوڈا کے راجہ نے اس سے اس طرح اکیلے گھر چھوڑنے کا سبب پوچھا اس نے ساری باتیں کہہ سنائیں۔ لوگ اچھی طرح سے جانتے تھے۔ کہ دھارا نگر کا راجہ کس طرح چھوٹی رانی کے قابو میں ہے اس لئے اسکی نسبت تو کسی نے کچھ نہیں کہا۔ مگر راجہ نے جگدیو کی تسلی کر کے کہا "اگر تم یہاں رہنا چاہو۔ تو یہ تمہارا ہی گھر ہے"۔ مگر کئی وجہ سے اس نے درخواست کو پسند نہیں کیا۔

رات کے وقت ویرمتی اپنے شوہر سے ملی اور کہنے لگی آپ پردیس جا رہے ہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی اس نے کہا "میں بیکس و بے مددگار اکیلا ہوں۔ تم کو ساتھ نہیں لے چلتا۔ کیونکہ تم کو بھی تکلیف ہوگی"۔ اس نے جواب دیا اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ چلوں گی تاکہ آپ کی بیکسی و بے بسی کی حالت دور ہو"۔ راجکمار نے سمجھایا "تم عورت ہو ابھی تمہاری عمر صرف تیرہ برس کی ہے۔ زمانہ کا تجربہ نہیں ہے۔ پردیس میں کیا ہو جائے کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے میں ساتھ نہ لے جاؤنگا۔ ویرمتی نے کہا "آپ نے بھی ایک ہی کہی۔ نہ جو شخص اپنی

استری کو خود آرکھنا چاہتا ہے۔ اسکو شادی کرنیکا حق کہاں تھا۔ مجھ میں اتنی عقل ہے کہ آپ کے آرام و تکلیف کو سمجھتی ہوں۔ میں بھی تو آخر چھترانی ہوں۔ اب میں کبھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑونگی۔ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ اور دکھ سکھ میں برابر شریک رہوں گی ؛

دعوت و مہمان داری میں پانچ دن گذر گئے۔

چھٹویں دن راجکمار ویرج نے تین سو گھوڑے معہ سواروں کے اس کے ساتھ کرنا چاہا۔ مگر جگدیو نے کہا میں اس وقت غریب آدمی ہوں میں کسی کو ساتھ نہ لونگا صرف اتنی مدد تم کرو کہ پاٹن دیس کی طرف کا سیدھا راستہ بتادو جس سے میں وہاں جلد پہنچ جاؤں۔ ویرج کہنے لگا یہاں سے دو راستے ہیں۔ ایک سیدھا۔ مگر خطرناک ہے۔ اسکے ڈر کے آدمی نہیں جاتے۔ راہ میں شیر ملتے ہیں۔ دوسرا خطرہ سے خالی ہے۔ مگر زیادہ عرصہ میں پاٹن پہنچنا پڑتا ہے۔ جگدیو نے کہا میں اسی راہ سے جاؤں گا جہاں سے جلد پاٹن کو پہنچ سکوں۔ یہ کہہ کر وہ گھوڑے پہ سوار ہوا۔ ویرمتی بھی ساتھ ہوئی کیونکہ وہ بھی ہٹیلی اور ضدی تھی۔ ماں باپ میں سے کسی کا کہنا نہیں مانا۔ ویرج کچھ دور میل دو میل تک پہنچانے آیا۔ آخر وہ گھوڑے وغیرہ سب واپس لایا۔

جگدیو کو ویرمتی نے بہت سمجھایا کہ اس نزدیک راہ سے چلنا مناسب نہیں۔ مگر اس نے نہیں مانا۔ ویرمتی اپنے شوہر کی بے خوفی دیکھکر خوش ہوئی کہ کنور جی ادھنیہ ہے تمہاری ماتا جس کی کوکھ سے ایسا بیر پتر پیدا ہوا۔ جانا میں بھی شیروں کا خوف نہیں کھاتی۔ مگر ایک بات کا خیال رکھو۔ تم اپنے داہنے طرف کے گھاس اور جھاڑیوں کی طرف نگاہ کرو میں بائیں جانب ہوشیار رہونگی۔ اور ذرا ذرا سی گھاس کی حرکت کو بتاتی رہونگی۔

اسطرح دونوں نے خطرناک سفر اختیار کیا جب رات آتی یہ جنگل کے درخت کاٹکر چقماق سے آگ لگاتے۔ جانور آگ کے خوف سے پاس نہیں آتے تھے دوران سفر میں ان کی غذائیں ہرن اور پاڑھے کا گوشت تھا۔ کئی دن اسی طرح گذرے۔ ایکدن راہ میں ایک شیر نظر آیا۔ جگدیو نے للکارا۔ شیر چھلانگ مارتا ہوا اس پر آگرا۔ مگر جگدیو کی کمان سے سنسناتا ہوا تیر بھی نکل کر شیر کی آنکھ میں گھر کر گیا۔ اور دوسرے تیر نے ہمیشہ کیلئے اسکو زمین پر سلا دیا۔ پاس ہی شیرنی بیٹھی ہوئی تھی اس نے اپنے نر کی حالت دیکھی۔ تڑپ کر ویرمتی کے اوپر آئی۔ یہ بھی تیار تھی۔ اس کی کمان کے تیر نے شیرنی کو وہیں گرادیا۔ اور اس نے تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔ اس واقعہ سے مرد و عورت دونوں خوش ہوئے ویرمتی ہنس کر کہنے لگی پران پتی! اس قسم کے شکار سے کیسی تفریح ہوتی ہے!!

شیروں کو مار کر وہ آگے بڑھے۔ ایک خوبصورت تالاب نظر آیا۔ گھوڑوں کو درختوں کے تلے باندھکر وہ آرام کیلئے وہاں بیٹھ گئے۔

جگدیو اور اس کی بیوی ابھی اسی تالاب کے کنارے بیٹھے ہیں اور آگ جلا کر کباب بھون رہے ہیں۔ ویرج اپنے باپ کے پاس گیا۔ اور جب اس نے دیکھا کہ جگدیو اکیلا خطرناک رستہ سے گیا۔ راجہ کا دل خوف سے کانپ اٹھا۔ اس نے کہا کہ تو نے سخت غلطی کی۔ کیوں ادھر سے جانے دیا۔ افسوس داماد اور کنیا دونوں اس وقت شیر کے منہ میں ہونگے۔ وہ سخت گھبرا گیا۔ رانیوں کے دل میں بھی ہیبت چھاگئی۔ راجہ نے اسی وقت ویرج کو تین سو سوار دیکر روانہ کیا۔ تاکہ جگدیو کی خبر لیں۔ یہ اس کے نشان قدم پر چلے۔ راہ پر خون کے قطرے ملے۔ ویرج ڈرا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ جگدیو ویرمتی میں سے کوئی مارا گیا۔ مگر ابھی بمشکل چند گز آگے بڑھے ہونگے

کہ ایک طرف شیر اور دوسری طرف شیرنی مردہ پڑے ہوئے نظر آئے جگدیو کی جان میں جان آئی آگے بڑھ کر دیکھتا کیا ہے کہ تالاب کے کنارے دو مسافر کباب پکا رہے ہیں۔ وہ اُٹھے پریم سے بغلگیر ہوئے۔ ویرج نے کہا در جگدیو! تم اصل کشتری ہو۔ ان موذیوں نے سینکڑوں جانیں لی تھیں کسی کو ان پر قابو نہیں ملتا تھا۔" جگدیو نے مسکرا کر کہا دیکھو ان شیروں کے مارنے والی وہ اصل کشترانی ہے۔ اگر یہ ساتھ نہ ہوتی تو میری آنکھوں کو شیر کا پتہ بھی نہ لگتا۔ شیر سے شیرنی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ ویرمتی نے شیرنی کا شکار کیا ہے۔" ویرج نے اپنی بہن کی طرف تعجب اور خوشی کی نظر سے نگاہ کی۔ ویرج تو ان کی خبر لیکر واپس چلا گیا +

خاوند اور بیوی پاٹن شہر کے قریب پہنچے۔ گھوڑوں کو تو دیکھ کر درختوں سے باندھ دیا۔ اور راجکمار ویرمتی کو سمجھا بجھا کر شہر میں آیا۔ تاکہ رہنے کیلئے کوئی مکان کرایہ پر لے جس جگہ اُن کے گھوڑے بندھے تھے وہاں ایک تالاب تھا جس کو شہر لنگ تالاب کہتے ہیں۔

جگدیو ابھی شہر میں مکان کی تلاش میں ہے۔ ویرمتی چارجامہ پر بیٹھی ہوئی شوہر کی راہ دیکھ رہی ہے۔ بدقسمتی سے اس وقت پاٹن دیس میں جیامتی نامی ایک رنڈی رہا کرتی تھی جس کی مکر کے دام میں شہر کے بہت سے رئیس زادے پھنسے تھے۔ اس کی ایک داسی اسطرف آنکلی۔ ویرمتی کو خوبصورت دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ پاس آکر اس نے پوچھا بائی! تو کون ہے۔ ان گھوڑوں کے سوار کہاں ہیں؟"

ویرمتی نے جو ابھی کمسن اور دنیا کے حالات سے واقف نہیں تھی سادگی و سادہ لوحی سے اپنی ساری کیفیت کہہ سنائی۔ لونڈی خوش ہوئی یہ بھولا بھالا شکار اب کہاں جا سکتا ہے! وہ دیشیا کے پاس گئی۔ اور ویرمتی کے حالات

سے واقف کیا۔ ویشیا اپنی پچیس خوبصورت لونڈیوں کو زیور وغیرہ سے آراستہ کرکے اور خود اچھا لباس پہنکر رتھ پر سوار ہوئی۔ اور مکر سے اس کو گھر لانا چاہا رتھ کے ساتھ کئی خوبصورت آدمی خاص قسم کی پوشاک پہنے ہوئے تھے۔ وہ بڑے زرق برق کے ساتھ شاہی طریقہ کے بموجب وہاں پہنچی۔ تالاب کے کنارے قنات کھچ گئی۔ اور جاموتی اس لونڈی کو لئے ہوئے ویرمتی کے پاس پہنچکر کہنے لگی بہو! اٹھو۔ میں یہاں کی رانی۔ جگدیو کی پھوپھی اور رشتہ میں تیری پھوپھی ساس ہوتی ہوں۔ اٹھو مجھ سے بغلگیر ہو۔ میں نے ابھی تمہارے آنیکا سماچار سُنا اس لئے رتھ تیار کرکے لینے آئی ہوں۔ میں جب گئی تھی۔ جگدیو کی شادی ٹونک ٹوڈا میں ہوئی تھی۔ میں صرف رن دھول سے مل سکی تھی۔ جگدیو میرا بھتیجا کہاں ہے؟ تم ایک بڑے اونچے کل کی لڑکی ہو۔ چلو میرے ساتھ محل میں چلو۔ میں تم کو دیکھکر بڑی خوش ہوئی ہوں۔ ویرمتی جانتی تھی۔ کہ سدھ راج کو جگدیو کی پھوپھی بیاہی ہے وہ دل میں بہت خوش ہوئی۔ مگر کہنے لگی میں کیسے چلوں تمہارا بھتیجا آتا ہوتا۔ مجھ کو نہ دیکھکر سخت تکلیف میں پڑجائیگا۔ جاموتی بولی۔ گھبرانے کی بات نہیں۔ میرے آدمی یہاں رہیں گے۔ اُس کو ساتھ لاوینگے +

یہ کہکر وہ بڑی عزت کے ساتھ ویرمتی کو اپنے گھر لے گئی۔ ویشیا کا مکان بھی محل سے کم نہیں تھا۔ اس کے آرائش کے ساتھ دیکھکر ویرمتی کو تعجب ہوا۔ جاموتی نے اس طرح پہلے ہی سے انتظام کر رکھا تھا جس میں لڑکی کو شک نہ گذرے۔ شام کا وقت آیا۔ کھانا تیار ہوا۔ مگر ویرمتی کو کھانے سے عذر تھا۔ کیونکہ جبتک خاوند نہ کھالے تب تک نیک بیویاں کھانا نہیں کھاتیں۔ اس نے بار بار پوچھا کہ اجی! تمہارا بھتیجا کیوں نہیں آیا۔ میں انکے کھانا کھانے

کے بغیر کچھ نہ کھاؤنگی"۔ جاموتی نے اپنی لونڈیوں کو اشارہ کیا وہ اِدھر اُدھر گئیں! اور واپس آکر کہنے لگیں کہ جگدیو تو اتفاق سے راجا کو مل گیا۔ وہ راجہ کے پاس بیٹھا ہوا وہاں ہی کھانا کھا رہا ہے میں نے کہا مہاراج! جگدیو کی پھوپھی صاحبہ یاد کر رہے ہیں۔ راجہ بولے کیا جگدیو ہمارا رشتہ دار نہیں ہے۔ جا کر کہدو ابھی بات چیت کر رہے ہیں کھانا کھا کر تب جائینگے۔ گھبرانے کی کیا بات۔ تم وہاں ویرمتی کے آرام و آسایش کا خیال کرو۔ جگدیو کو ہمارے یہاں کچھ تکلیف نہ ہوگی +

لونڈیاں نے یہ باتیں اس طرح کہی تھیں کہ ویرمتی کو ذرا بھی شک نہیں گذرا اُس نے پھر بلا تامل تھوڑا سا کھانا کھا لیا اور پھر ہنسی مذاق کی باتیں ہونے لگیں رات کے نو دس بج گئے۔ مگر جگدیو نہیں آیا۔ ویرمتی گھبرائی۔ جاموتی نے تسلی دیکر کہا۔ لڑکی کیا تو کسی بیگانہ کے گھر میں آئی ہے کیوں ڈرتی ہے۔ میرا بھتیجا آتا ہوگا۔ جا نیند لگی ہو تو اوپر کے کمرہ میں سو جا"۔

اوپر سونے کے لئے مکلف پلنگ بچھا دیا گیا۔ اور ہر قسم کے آرائش و زیبائش کے سامان موجود تھے۔ ویرمتی کھاٹ پر لیٹ رہی۔

جاموتی کا آشنا شہر کے کوتوال کا لڑکا تھا۔ دس بجے رات کو وہ آیا جاموتی نے اپنے نئے شکار کا حال سُنا کر اوپر جانے کی ہدایت کی اس لڑکے کا نام لال کنور تھا۔ وہ شراب میں مخمور تھا۔ لونڈی جا کر دروازہ کھٹکٹایا۔ بہو دروازہ کھولدے۔ راجکمار آیا ہے۔ دوسرے لمحہ میں لال کنور مکان کے اندر داخل ہوا پیچھے سے دروازہ بند کر دیا گیا ویرمتی کی نگاہ لال کنور پر پڑی وہ دہک سی رہ گئی۔ دھوکا دیا گیا۔ لال کنور نے ہاتھ بڑھایا۔ ویرمتی کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا اس نے اپنے ہاتھ سے دھکا دیا۔ لال کنور تو نشہ میں چور تھا نیچے گر پڑا اور پھر اسی وقت شیرنی کی طرح تڑپ کر ویرمتی نے اسکی کمر سے خنجر

کھینچا۔ اس کام تمام کر دیا اور اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ وہ دل میں ڈری ہوئی تھی۔ مگر وہ خوش بھی بہت تھی کہ ایشور کی کرپا سے اس کے پت ورت بھاؤ کو صدمہ نہیں پہنچا وہ سوچتی ہوئی لاش کے قریب بیٹھی رہی اتنے میں آدھی رات ہو گئی۔ پہرہ والے ہانک دینے لگے۔ اس نے سوچا اس کمبخت عورت نے میرے ساتھ دغا کیا ہے۔ مجھ کو بھی کچھ کرنا چاہیئے۔ اس نے لال کنور کی لاش اٹھا کر کھڑکی کی راہ سے باہر پھینک دی۔ اسکی آواز سنکر چوکیدار نے چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ لوگوں نے کہا "وہ جاموتی کے گھر گیا تھا" آدمی اسکے یہاں آئے۔ اس نے اقرار کیا کہ ہاں وہ آیا ہوا ہے۔ اور ایک عورت کے ساتھ اوپر سویا ہوا ہے۔" آدمیوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ مگر جواب نہیں ملا۔ آخر جب خود جاموتی آکر کہنے لگی دروازہ کھول دو۔ تو ویرمتی نے جواب دیا کمبخت بے شرم عورت۔ تونے ایک راجپوت کی لڑکی کیساتھ ایسا دغا کیا تھا۔ میرے پت ورت بھاؤ کو نشٹ کرنا چاہا تھا۔ تو نہیں جانتی میں کون ہوں۔ تجھ کو تیرے سارے گھر کے ساتھ ختم کر دونگی۔ اور تجھ کو بھی وہاں ہی بھیجوں گی۔ جہاں یہ بے حیا لڑکا گیا ہے۔"

جاموتی کے ہوش ٹھکانے ہو گئے۔ اس نے سمجھا کہ کوتوال کا لڑکا مارا گیا۔ لوگوں کو بھی معلوم ہوا کہ اس کمبخت نے کسی ٹھکرانی کو پھانسا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوتوال کا لڑکا مارا گیا ہے۔

بات چیت کرتے صبح ہو گئی۔ ویرمتی نے دروازہ نہیں کھولا۔ آخر ایک کھڑکی کمزور تھی۔ اس میں داخل ہو کر ایک شخص نے جانیکا ارادہ کیا۔ ویرمتی کی تلوار بجلی کی طرح چمکی اور اس کا سر دھڑ سے الگ جا پڑا۔ دوسرے نے ہمت کی۔ اس کا بھی وہی حال ہوا۔ اس طرح پانچ آدمی یکے بعد دیگرے مارے گئے۔ اب تو کسی کو مکان میں جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

اس واقعہ کی خبر سدھ راج کو دی گئی۔ اس نے کہلا بھیجا کہ جب تک میں خود وہاں نہ

آئوں کچھ کارروائی نہ کرو۔" اور سب کھڑے ہو کر وہاں ہی اس کا انتظار کرنے لگے۔

اب آپ جگدیو کا حال سنو۔ وہ مکان کی تلاش میں شہر میں آیا۔ ایک گھر کرایہ پر لیا۔ مگر واپسی پر ویرمتی نہیں ملی نہ گھوڑے نظر آئے حیران پریشان کیا ہو گیا! کون اس کو باہر لے گیا۔ وہ اس کی تلاش میں دیر تک مارا مارا پھرتا رہا۔ شاہی اصطبل کے داروغہ کی نگاہ اس پر پڑی اُس نے پاس بلا کر پوچھا تو کون ہے؟ جگدیو بولا "پردیسی ہوں۔ نوکری کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ اس نے خوش ہو کر اپنی ماتحتی میں نوکر رکھ لیا اور اس ملازمت کی طفیل سے اس سے جلدی سدھ راج کی ملاقات ہوئی مگر غریب دل میں بڑا دکھی تھا۔

چھن میں بارے چھن گھٹتے۔ چھن آدھا چھن لین۔

داتا نے کیا سوچیا۔ کیا چند کیو بین۔

اس کو رات کے وقت کسی پہلو سے نیند نہیں آئی۔ برابر کروٹ بدلتا رہا۔ داروغہ اصطبل نے اپنے گھر سے کھانا بھجوایا۔ مگر اس نے چھوا تک نہیں۔ جیوں تیوں کر کے صبح ہوئی۔ راجہ نے سواری کیلئے گھوڑا طلب کیا جگدیو نے خود جا کر گھوڑا پیش کیا۔ سدھ راج کو اس کی وضع قطع بہت پسند آئی۔ مگر یہ سمجھا شاید یہ ہمارا ہی کوئی ٹھاکر ہو گا اس نے کوئی بات نہیں پوچھی۔

سدھ راج تھوڑی دیر بعد جامیتی کے گھر پہ پہنچا۔ داروغہ اور جگدیو دونوں گھوڑوں پر سوار راجہ کے پیچھے تھے۔

سدھ راج نے جب اپنی زبان سے سنا کہ اندر کوئی راجپوتنی ہے جس کے ساتھ دھوکا کیا گیا۔ وہ خود دروازہ پر آ کر کہنے لگا۔ لڑکی۔ تو بتا تو سہی کون ہے؟ تیرا شوہر کہاں ہے۔ سائیں کے سسر کہاں رہتے ہیں۔ ڈرمت میں یہاں کا راجہ ہوں۔" لڑکی نے اندر سے کہا "مہاراج! میں ویرمتی ہوں۔ ٹونک ٹوڈا کے راجہ کی بیٹی۔

دھارانگر کے راج تیر کی بہو اور بیرج کی بہن ہوں"۔ راجہ بولا "تم نے ہمارے آدمیوں کو کیوں قتل کیا۔" وہ بولی۔ "اس عورت نے مجھ سے کہا "میں راجہ کی رانی اور تیری پھوپھی ہوں۔" وہ مجھ کو دھوکا دیکر یہاں لائی اور میرے پت ورت بھنگ کرنے کی تدبیر سوچی۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ سوائے مرنے مارنے کے اور کیا بات باقی رہ گئی تھی۔ جب تک جان میں جان ہے کوئی مجھ کو بدکار نہیں بنا سکتا۔ میرا شوہر اس شہر میں مکان تلاش کرنے گیا ہے جب تک وہ نہ آویگا۔ میں دروازہ نہ کھولونگی آپ اُس کو بلا دیں۔"

اتنے میں جگدیو آگے بڑھا پریا میں آگیا دروازہ کھول دے تجھ کو بڑی تکلیف ہوئی۔" ابھی یہ الفاظ بشکل کہنے والے کی زبان سے نکلے تھے کہ دروازہ کھل گیا اور وہ راجپوتنی جو اب تک شیرنی کیطرح سخت دل اور سنگدل بنی ہوئی تھی روتی ہوئی باہر نکلی اور جگدیو کے جسم سے لپٹ گئی۔ پران ناتھ! سچ مچ یہ گھنٹے سخت مصیبت کے کٹے"۔ ان کا پریم دیکھکر سدھ راج متاثر ہوا اس نے لڑکی سے مخاطب ہو کر کہا "آج سے تو میری دھرم کی بیٹی ہے چل اب سچ مچ راج محل میں قیام کر۔" راج محل کی داسیوں نے اسکو رتھ پر بٹھایا۔ اور وہاں عزت و آبرو کے ساتھ اس کو جگہ دیگئی پھر تو ویرمتی کے پت ورت بھاؤ کی ہر جگہ دھوم مچ گئی۔

سدھ راج نے کوتوال کی تمام جائداد ضبط کر لیا۔ اور جاسوتی اس کی تمام ویشیاؤں کے ناک کان کاٹ کر اپنے شہر سے نکال دیا۔ پھر جگدیو سے سب حال پوچھکر اس کو اپنا معتمد بنایا۔ اور ایک موتیوں کا ہار انعام میں دیا۔ جگدیو نے وہ اصطبل کے داروغہ کے حوالہ کیا کیونکہ اسی کی وجہ سے وہ مقرب دربار ہوا تھا۔ اور وہ دن اسی طرح ہنسی خوشی سے گذرا۔ اور رات کو وہ بےفکری سے سوئے۔

دوسری صبح کو ابھی رات تھوڑی باقی تھی کہ ویرمتی اٹھی۔ اس نے کھانا تیار کرکے

جگدیو کو جگایا وہ کہنے لگا تم نے اتنی جلدی کیوں جگایا وہ کہنے لگی میں نے تین دن سے کچھ کھانا نہیں کھایا صبح ہی تم کو راجہ بلاویگا خبر نہیں تم کب آؤ اس لئے میں نے یہ گستاخی کی" پھر دونوں نے کھانا کھایا۔ ابھی تھوڑی دیر بھی نہیں گذری تھی کہ راجہ کا آدمی بلانے آیا جگدیو وہاں چلا گیا اور اس روز تمام دن اس کو اپنی بیوی کے پاس آنے کی فرصت نہیں ملی۔

سدھ راج نے جگدیو کا بڑا استکار کیا۔ اس کی معقول تنخواہ مقرر کی گئی اور اس کو منصب سرداری کا عطا ہوا۔ وہ وہاں آرام و آسایش سے رہنے لگا ویرمتی کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے جنکے نام جگ دھول اور بیج دھول تھے۔ سدھ راج ان دونوں کو بہت پیار کرتا تھا۔ اور ان میں ماں باپ کی طرح کشتریوں کے اوصاف کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ جگدیو سدھ راج کا وفادار اور معتمد علیہ تھا۔ سدھ راج نے دل میں سوچا۔ لاؤ اس کی وفاداری کا ثبوت لیں۔ وہ ضعیف الاعتقادی کا وقت تھا لوگ باطل پرست تھے۔ راجہ نے اس سے فائدہ اُٹھانے کی تدبیر سوچ نکالی۔ جگدیو راجہ کا باڈی گارڈ تھا ایکبار وہ کی ایک رات کو جب پانی چھم چھم برس رہا تھا۔ راجہ نے کسی عورت کی آواز سُنی اس نے پہرہ والوں کو بلایا۔ اور تو کوئی موجود نہیں تھا صرف جگدیو کھڑا تھا۔ راجہ نے حکم دیا۔ جاؤ دیکھو۔ یہ کون رو رہا ہے۔ جگدیو گیا۔ تھوڑے فاصلہ پر چار عورتیں رو رہی تھیں۔ جگدیو نے پوچھا کیا سبب ہے۔ جس سے تم رو رہی ہو انہوں نے کہا سدھ راج کی عمر پوری ہو گئی اب وہ مر جائیگا۔ اگر تم مع اپنی عورت اور لڑکوں کے اس کے لئے اس کل میں بیٹھ کر گٹ مر دیوی کے مندر کے سامنے بنا ہے تو وہ بیس برس کے لئے زندہ رہ سکتا ہے" جگدیو نے کہا یہ کیا بات ہے چلو ہم تیار ہیں وہ گھر پر آیا۔ ویرمتی کو سارا قصہ سُنایا وہ راضی ہو گئی

دونوں لڑکے بھی کہنے لگے۔ پتاجی! ماتا کے لئے جان دینا کشتری پتر کا دھرم ہے۔ جب ماں باپ مرنے کو تیار ہیں تو ہم کیسے پیچھے رہ سکتے ہیں۔ یہ چاروں مشورہ کر کے اس مقام پر آئے جہاں وہ کل تیار تھی عورتیں ہاں اب تک کھڑی ہوئی تھیں۔ ویرمتی اور جگدیو نے دونوں لڑکوں کو بیچ میں کر لیا اور اپنے گلے خوشی سے مشعلیں میں دھر لئے۔ اور عورتوں سے کہا۔ یوگینو! لو اپنا کام کرو لو سیدھراج چھپا ہوا اُن حرکات کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے خود وہاں آ کر اُن کو اس کل سے آزاد کیا۔ اور لڑکوں و جگدیو کو چھاتی سے لگا کر کہنے لگا اے بیر پرشو تم دھنیہ ہو۔ تمہاری زندگی قیمتی زندگی ہے۔ میں کیسے ان کو ضائع ہونے دے سکتا ہوں۔ پھر اس نے ویرمتی کی ہمت کی تعریف کی ÷

ویرمتی کی باقی زندگی جگدیو کی سیوا میں گذری۔ اور وہ سچ مچ پوتر جیون تھا ÷

آدیہ پرشو! یہ لوگ تھے جو کسی دیش اور جاتی کے شوبھا بن سکتے تھے کیا تم بھی ان کے مختصر جیون سے پاک سبق نہ سیکھو گے؟

چنچل کماری

اپنی کل کی یاد کر۔ کہاں ہے تیرو ٹھانوں
ایسا انوچت کیوں کرے۔ کہ بوڑھے کل کا ناؤں

آؤ آج ہم تم کو ایک ایسی اچھی بیر استری کا جیون چرتر سناتے ہیں۔ جس کو

شاید کیا عجیب تمہارے رونگٹے کھڑے ہوں تم کو بھی غیرت آئے! ورنہ تو ہیئت کا مناسب غرور تم میں ایسا وصف پیدا کرے جس سے تم قابل نفرت کاموں سے گریز کرنے لگو اور سلف ریسپکٹ تم میں انسانیت کے اوصاف پیدا کرے*

یہ کسی ناول کا فرضی قصہ نہیں نہ کسی کے دماغ کی فرضی ایجاد ہے یہ ایک تواریخی کارنامہ ہے۔ اور اس حیثیت میں اس کا پیش کرنا کیا عجب تم کو کوئی مفید سبق سکھلا سکے۔

چینچل کماری جس کا ہم ذکر کرتے ہیں راجہ بکرم سنگھ والئے روپ نگر کی لڑکی تھی یہ اسم بامسمے تھی۔ خوبصورت اقبال مند۔ ہمت بلند۔ تیز فہم۔ بیدار مغز۔ ضدی مغرور۔ چالاک اور پتی ورتا۔ کون سے نیک اوصاف ہیں جو اس مبارک نفس خاتون میں نہیں موجود تھے۔ روپ نگر ایک چھوٹی سی ریاست تھی۔ اپنے گنے گنائے سو گاؤں رئیس کے قبضہ میں تھے مگر وہ رئیس کسی اونچے شریف۔ راجپوت گھشتری خاندان کا لڑکا تھا۔ بکرم سنگھ کوئی ایسا حوصلہ والا اور بلند خیال نہیں تھا۔ مگر قدیم کشتریوں کا سنکار اور اُن کی پاکی کا اثر نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا ہؤا اس کے دماغ سے نکلکر چینچل کماری کی شکل میں محسوس صورت اختیار کی تھی چینچل اعلےٰ قسم کی راجپوتنی تھی۔ گو وہ مشغول شریر میں نظر آتی تھی۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ وہ آئیڈیل عورت تھی۔ وہ اس قسم کی مکمل مخلوق تھی جو یا تو شاعر کے خیالی طبقات میں موجود رہتی ہیں یا جن کا نقشہ مصور کا جادو نگار قلم صفحہ کاغذ پر کھینچکر دکھلا دیتا ہے۔

جوانی کے دن تھے۔ الھڑپن کا زمانہ تھا۔ چینچل اپنی ہمجولنوں میں خوشی اور مسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی۔ نہ جینے کی شادی نہ مرنے کا غم۔ زمانہ

کے حادثات نے اب تک اس پر رحم کر رکھا تھا اور وہ بمشکل سمجھتی تھی کہ دنیا میں فکر بھی کوئی چیز ہوا کرتی ہے۔ حاصل کلام وہ ہر طرح سے خوش تھی اور ماں باپ نے اس کی خوشی کے سامان فراہم کرانے میں احتیاط و اہتمام کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا تھا۔ مگر آپ جانتے ہیں۔

دو رنگی زمانہ کی مشہور ہے
کہیں سایہ ہے اور کہیں نور ہے

ایک وقت ایسا آیا جس نے اس کے سر پر مصیبت کا پہاڑ گرا دیا۔ لیکن ہم اس کو بطور خود مصیبت نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اگر اس واقعہ کا وقوع نہ ہوا ہوتا تو شاید ہم یا ہمارے ناظرین دوسرے پڑھے لکھے آدمیوں کو چنچل کے نام سے بھی واقفیت نہ ہوئی ہوتی اس واقعہ نے ہم کو ایک قابل تعظیم ماتا ایک پاک استری اور ایک سچی عفت گستر انی کے جیتی چیز عطا کئے جو ہم کو یاد دلائیگا کہ پہلے ہندو ناتیں ایسی ہوتی تھیں۔ ہندو عورتوں کا ایسا دھرم ہوا کرتا تھا۔ اور مغرور کسی کو سر نہ جھکانے والی کشترانیوں کی وضع قطع ایسی ہوا کرتی تھی۔

ایک دن راجہ کے محل میں کسی بساطنی کا گذر ہوا۔ جو طرح طرح کی خوبصورت اور رنگین تصویریں بیچ رہی تھی۔ تصویریں اچھی تھیں۔ ہاتھی دانت کی تختیوں پر مصور کے قلم نے غضب کی کاریگری دکھائی تھی محل کی لڑکیوں نے عورت کو گھیر لیا سب اس کے چاروں طرف ہو گئیں۔ وہ نہ صرف تصویریں دیکھتی تھیں۔ بلکہ جیسا دستور ہے اس بڑھیا کے ساتھ مذاق کیا کئے لگیں بڑھیا گھبرا گئی۔ اس نے کہا۔ تم مجھ کو نہ ستاؤ۔ یہ تصویریں میں تمہارے لئے نہیں بلکہ راجکماری چنچل کے لئے لائی ہوں۔ یہ کہہ کر اتنے میں ان کو پٹاری

میں بند کر لیا۔ اتنے میں لڑکیاں سب دم بخود تصویر حیرت کی طرح چپ ہو گئیں
عورت کو ان کی خاموشی دیکھ کر حیرت ہوئی کیونکہ ان کی زبان بند ہونے والی
نہیں تھی۔ اس نے پھر کر دیکھا۔ ایک جلال والی نوجوان لڑکی پیچھے کی طرف سے
آ رہی تھی۔ اسی کو دیکھ کر اس کے رعب میں آ کر لڑکیاں سہم گئیں اور پھر کسی کو بڑھ
کے چھیڑ چھاڑ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ لڑکی خود تصویر تھی۔ نکھ سے شکھ تک تمام
حصے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا سنگ مرمر کی خوبصورت
تصویر حرکت کر رہی ہو۔ وہ اس کو دیکھ کر حیران ہو گئی اور تعظیم سے اٹھ کھڑی ہوئی۔
یہ لڑکی چنچل کماری تھی۔ اس نے آتے ہی کہا "جو تصویریں تم بیچنے دکھانے کی نیت
سے لائی ہو" عورت ان کو پیش کرو۔ بڑھی بساطن نے۔ اکبر، شاہجہان، جہانگیر،
نورجہاں۔ وغیرہ کی مختلف تصویریں دکھلائیں۔ چنچل بولی "یہ تو ہم نے دیکھ لیا
لیکن کیا تمہارے پاس ہندوؤں کی تصویریں نہیں ہیں" اس نے کہا "ذرا صبر
کیجئے۔ میں ابھی دکھلاتی ہوں" اور اس نے ایک بنڈل سے راجہ مان سنگھ، بیربل
جسونت سنگھ وغیرہ کی تصویریں دکھلائیں۔ چنچل نے کہا "یہ ہندوؤں کی تصویریں
نہیں ہیں یہ تو بادشاہ کے نوکر ہیں" عورت نے پھر رانا پرتاپ، رانا امر سنگھ
رانا کرن سنگھ، راجہ جسونت سنگھ وغیرہ کی شبیہیں نکالیں۔ ان میں سے چنچل نے قریب
قریب سب کو پسند کر کے خرید لیا۔ اور اس کو خاطر خواہ قیمت دی۔ عورت نے
ایک تصویر جو چھپا رکھی تھی وہ بھی دکھلائی۔ چنچل کو حیرت ہوئی "یہ تصویر تم
نے کیوں نہیں دکھلائی" عورت نے ہاتھ باندھ کر کہا "راجکماری! یہ تصویر مہاراجے کے
کام کی نہیں ہے یہ تمہارے دشمن کی تصویر ہے" چنچل بولی "یہ کس کی شبیہ ہے؟"
بڑھیا عورت نے کہا "یہ مہارانا راج سنگھ کی تصویر ہے" چنچل مسکرائی "راج سنگھ بہادر
اور دلیر راجپوت ہے جس میں دلیری ہوتی ہے وہ کسی عورت کا دشمن

نہیں بنتے۔ لا یہ تصویر بھی میں خریدونگی۔ کیونکہ وہ ایک ایسے نسل کے راجہ کی ہے جس کو اپنے ہندو پن کا ہمیشہ سے غرور رہا ہے"

بات یہ تھی کہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے اودے پور کے راناؤں اور روپ نگر کے راجاؤں میں مدت سے آن بن چلی آتی تھی۔ اس وجہ سے بساطنی نے راج سنگھ کو چنچل کا دشمن کہا تھا۔

بساطنی کے ہاتھ سے تصویر لیکر چنچل اُس کو بغور دیکھنے لگی۔ اُس کے گراں قدر دیکھکر بہت خوش ہوئی اس نے دوسری لڑکیوں کو دکھلا کر کہا دیکھو یہ ایک اصلی ہندو کی شبیہ ہے کتنی اچھی ہے شکل سے کیسا بانکپن برستا ہے پھر اس نے بساطنی سے قیمت پوچھی۔ چنچل کی طبیعت دیکھکر اُس نے اوروں سے دگنی قیمت مانگی۔ لڑکیاں کہنے لگیں اس میں اُس نے بڑا نفع لیا۔ بساطنی نے کہا۔ یہ اُس کی بہادری کا نتیجہ اور کچھ نہیں ہے لاؤ اگر تم کو دوسرے بہادروں کی تصویریں بھی منظور ہوں تو میں دکھلا دوں یہ کہکر اس نے اورنگ زیب کی تصویر نکالی۔ جو اس وقت کا بڑا اولو العزم بہادر طاقتور شاہنشاہ تھا۔ یہ تصویر بھی خرید لی گئی۔ مگر اس وقت کی راجپوتانہ کی کمسن رانیاں دہلی کے بادشاہوں کے نام سے چڑھتی تھیں۔ آٹھ کمسن لڑکیاں تھیں۔ ہنس ہنس کر کہنے لگیں اس کی گردن جھکی ہے اندر ہی اندر ہنسی میں ایک لڑکی نے اس کو زمین پر گرا کر اپنے پاؤں سے کچل دیا۔ چنچل کماری کو یہ ہنسی پسند نہیں آئی اس نے کہا "یہ شرافت کا کام نہیں ہے۔" بساطنی نے کہا "اگر یہ خبر کہیں بادشاہ کو پہنچ گئی۔ تو روپ نگر کے قلعہ کی ایک اینٹ تک کا پتہ نہ لگیگا۔" یا تو چنچل کماری اب اوروں کو سمجھا رہی تھی یا اب اُس کو بساطنی کی بات پر غصہ آگیا۔ وہ ہنس کر بولی۔ سب لڑکیاں ایک طرف سے باری باری اس تصویر پہ لات مارو۔ راجپوتانہ میں شاید لڑکیوں کا پتلا بنا کر

کبھی کبھی لڑکیاں اس پر ناچتی تھیں۔ یہی سلوک بادشاہ کی تصویر کے ساتھ کیا گیا۔ بساطنی کا ہوش اڑ گیا وہ ڈری کہیں اس کی قیمت بھی ہاتھ سے نہ جائے مگر چنچل نے قیمت دیکر اس کو رخصت کر دیا۔ یہ ہنسی کا واقعہ سچ مچ ایک بچپن کی نادانی کی حرکت تھی۔ مگر چنچل کے مابعد زمانہ میں اس نے کئی نصیحت خیز نتیجے پیدا کئے۔

بساطنی تصویریں بیچنے ویس پردیس جایا کرتی تھی۔ کچھ دنوں بعد وہ لوٹ کر دہلی گئی۔ کیونکہ یہاں اس کے لڑکے کی دوکان تھی اور یہاں ہی سے وہ تصویریں لیجایا کرتی تھی۔ اس کے محلہ میں ایک عورت دریا بی بی نامی سرمہ بیچنے شاہی محل میں جایا کرتی تھی۔ بساطنی نے اس سے بات بات میں روپ نگر کی جوان راجکماری کے گستاخانہ حرکت کا قصہ کہہ سنایا۔ اس کا یہ مطلب شاید نہیں رہا ہوگا۔

کہ یہ خبر بادشاہ تک پہنچے۔ مگر دریا بی بی نے یہ خبر زیب النسا نامی بادشاہ کی لڑکی کو سنائی جو اپنے وقت کی بڑی ماہر تھی۔ اس نے اودے پوری بیگم سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس اودے پوری بیگم کا اودے پور کے راناؤں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ اصل میں یہ قوم کی عیسائی تھی اور دارا شکوہ کے محل میں تھی۔ جب دارا شکوہ کو اورنگ زیب نے قتل کیا۔ اس کو اپنے حرم سرا میں داخل کر لیا اور یہ آخر وقت تک اس کی منظور نظر تھی۔ اور بادشاہ ہر معاملہ میں اس کی رائے لیا کرتا اور جو چھٹیاں اپنے لڑکوں کو لکھا کرتا تھا۔ ان میں کبھی اس بیگم کا بھی تذکرہ کر دیا کرتا تھا۔ اودے پوری بیگم نے ساری کیفیت بادشاہ کو سنائی اور اس سے قسم لیکر کہنے لگی میں اس وقت خوش ہونگی۔ جب چنچل کماری یہاں آکر میرا پیچوان تازہ کریگی اور چلم بھرنے کی خدمت انجام دیگی۔

زیب النسا نے کہا "میں اس گستاخ لڑکی سے اپنے پاؤں چپی کراؤنگی"

چاہیئے تو یہ تھا کہ اورنگ زیب خاموش ہو جاتا مگر وہ عجب قسم کا آدمی تھا۔ اُس نے مکر کے ساتھ روپ نگر کے راجہ بکرم سنگھ کو لکھا کہ چنچل کماری کو دہلی بھیج دو میں اسکے ساتھ شادی کرونگا۔ جس وقت یہ خبر روپ نگر والوں کو معلوم ہوئی انہیں کھلبلی پڑگئی۔ جودھپور اتیر جے پور کے راجہ کی کیا حیثیت تھی۔ وہ سمجھنے لگا۔ کیا ہرج ہے۔ اگر لڑکی شاہی محل میں جاتی ہے۔ تو کیا مضائقہ ہے۔ بادشاہوں کا آپس میں سمبندھ ہُوا ہی کرتا ہے۔ اورنگ زیب تو اس وقت سارے ملک کا فرمانبردار ہے۔ مگر چنچل کماری کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ جب اُس سے ذکر کیا گیا۔ اُس نے کہنے والوں کو سینکڑوں صلواتیں سُنائیں۔

شاہی محل کی بیگمات کی زبان سے جو بات نکلتی تھی۔ وہ سب ملک میں پھیل جاتی تھی۔ شاہی محل میں جودھپور کے شاہی خاندان کی ایک لڑکی بیاہی ہوئی تھی۔ وہ شاہی بیگمات میں سب سے بڑی ومعزز سمجھی جاتی تھی۔ مگر وہ دل میں خوش نہیں رہتی تھی۔ عہد نامہ کے بموجب اس کو ہندوانی رسمیات ادا کرنے اور محل میں مورتی رکھ کر پوجنے تک کی اجازت حاصل تھی۔ اورنگ زیب اس کی عزت کرتا تھا۔ جب اس عورت نے سُنا کہ بادشاہ نے کس ارادہ سے چنچل کماری کو بلانا چاہا ہے۔ اُس کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی۔ کسی اور ہندنی کی بھی بے عزتی کی جائے۔ اُس نے اورنگ زیب کے پاس جاکر سمجھایا کہ لڑکین کی حرکات پر دھیان دینا بادشاہ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ مگر کون سنتا تھا۔ آخر اُس نے اپنی وشواسی داسی کو جس کا نام دیوتی تھا جودھپور بھیجنے کے بہانہ سے روپ نگر روانہ کیا۔ اُس نے داسی کی زبانی چنچل کماری کو کہلا بھیجا۔ ہندوؤں کی ناک کٹ گئی ان کو اپنی عزت اور

حرمت کا خیال نہیں۔ میں جب سے یہاں آئی ہوں روز اپنی موت مانگتی ہوں۔ اب سننے میں آیا ہے۔ تو دہلی آرہی ہے۔ بادشاہ نے تیرے حالات سن لئے ہیں اودے پوری نے قسم کھائی ہے۔ کہ تجھ سے چلم بھروائی جائیگی۔ اور زیب النسا پاؤں چپی کرائیگی۔ کیا تو یہ ذلت برداشت کرنیکے لئے تیار ہے؟ میں سمجھتی ہوں تو کشترانی ہے۔ اور کبھی اس سلوک کو پسند نہ کریگی۔ راجپوتانہ والے تو بے حیا ہیں۔ اُن سے جذیہ کا محصول لیا جاتا ہے۔ اُن کے راج میں گئو ہتیا ہوتی ہے وہ ایک دوسرے کے دشمن اور بدخواہ ہیں۔ ان سے تجھ کو کچھ مدد نہ ملے گی۔ ہاں اودے پور کے خاندان میں ابھی تک ہندوپن کی خو بو باقی ہے۔ رانا دلیر اور کشتری ہے۔ اگر تو اسکی پناہ لیگی تو اس میں شک نہیں وہ تیری مدد کریگا اور کسی سے کسی طرح کی اُمید نہیں ہے۔ تو یہ نہ سمجھنا میں کسی رقابت کے خیال سے یہ صلاح دیتی ہوں۔ لیکن ہے کوئی تجھ سے کہے کہ جودھپوری رانی کو محل میں نہیں داخل ہونے دیتی۔ نہیں نہیں مجھ کو ذرا بھی خیال نہیں۔ میں ادھرمی ہو چکی ہوں۔ دھرم سے پتت ہو کر دکھ کی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ اور مجھے پورا پورا یقین ہے۔ بلاشبہ اودے پوری بیگم اور زیب النسا کا رسوخ کام کرتا رہیگا۔ اس قسم کی اُمید فضول ہے۔"

دیوی نے یہ پیغام راجکماری کو سنا دیا۔ بادشاہ کا حکم بھی روپ نگر پہنچ گیا تھا۔ چنچل کماری اس وقت فکر میں محو تھی۔ اسکی سہیلی نرمل بائی اسکے قریب آئی۔

نرمل۔ "بائی جی! فکر کرنا فضول ہے۔ ایشور کی مرضی ایسی ہی ہے۔

ہوتا ہے وہی جو خدا چاہے
مالک ہے وہ کبریا بتا ہے

چنچل۔ سچ ہے۔ کسی کا کیا بس ہے۔ مگر چاہے کچھ ہو جائے میں مغل کی لونڈی بن کر نہیں رہ سکتی۔

نرمل۔ کیا کوئی ایسی تدبیر نہیں ہو سکتی جس سے تم دہلی نہ جا سکو؟

چنچل۔ تدبیر تو سینکڑوں ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے میرے انکار سے پتا جی پر بلا نازل ہوگی۔ ابھی شاہی فوج روپ نگر پہنچ کر اینٹ سے اینٹ کو بجا دیگی۔

نرمل۔ پھر کیا کروگی؟

چنچل۔ میں سوچ رہی ہوں یا تو راہ میں زہر کھا کر مرونگی۔ یا دہلی پہنچ کر بادشاہ اور اس کی مغرور بیگم کو دکھلاؤنگی۔ کہ راجپوتنی سے چھیڑنے کا کیا نتیجہ ہوتا ہے ہنسنی کبھی بگلے کی جورو نہیں ہوئی۔ نہ کسی عورت نے بندر کی قربت کو پسند کیا

نرمل۔ شاباش بائی۔ شاباش لیکن ایک بات میں بھی کہتی ہوں۔ رانا راج سنگھ غریب نواز ہے۔ اسکو کیوں نہ خط لکھ دیا جائے کیا عجب وہ تیری مدد کر سکے۔

راج سنگھ کا نام سنا تھا کہ چنچل کا منہ سرخ و سفید ہوگیا۔ اس نے شرم سے گردن نیچی کر لی۔ پھر سوچ سمجھ کے بعد کہنے لگی۔ راجستھان بھر میں صرف یہی ایک خاندان راجپوتوں کا ہے جس کو اپنے ہندوپن کا غرور ہے۔ راج سنگھ بہادر و دلیر ضرور ہے۔ مگر اورنگ زیب کے ساتھ اسکا کیا مقابلہ۔ اجودھپوری رانی نے بھی اپنی لونڈی دیوی کی معرفت یہی بات کہلا بھیجی ہے۔ مگر میں سوچ رہی ہوں ایسا نہ ہو۔ میری وجہ سے روپ نگر اور اودے پور دونوں پر بلا نازل ہو جائیگی۔ راج سنگھ استری کا پیغام سنکر فوراً جان جوکھم میں پڑیگا۔ فتح و شکست تو ایشور کے ہاتھ ہے لیکن وہ کبھی لڑنے سے انکار نہیں کریگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا باپ کبھی اودے پور کی مدد لینا پسند نہیں کرتا۔

نرمل۔ تو نے بھی اچھی سوچی۔ ارے ایسے موقعوں پر آدمی کیا نہیں کرتا۔ کون جانے تیرے پیغام سے روپ نگر اور اودے پور دونوں میں مصالحت پیدا ہو جائے۔

چنچل نے سر اُٹھا کر نرمل کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی۔ نرمل کا مطلب کیا ہے۔ اس کے چہرہ میں ایک طرح کی تلملاہٹ پیدا ہوگئی مگر اس کی بات کا کچھ جواب نہیں دیا۔ کہنے لگی بدجاؤ قلم دوات لاؤ۔ اور اننت مشر کو بلاؤ"۔

نرمل قلم دوات لائی۔ اننت بھی حاضر ہوا چنچل نے ہاتھ میں قلم لے کر ایک خط لکھا اور اننت مشر کے ہاتھ میں موتیوں کا ہار و خط دیکر سمجھایا جس وقت رانا خط پڑھنے لگیں تم ہار کو ان کے گلے میں ڈال دینا۔ اور کہنا کہ ایک راج کنیا نے تم کو مدد کے لئے طلب کیا ہے۔ راج کنیا کی عزت خطرہ میں ہے۔ تمہارے سوا اور کوئی راجپوت نظر نہیں آتا اسلیئے اگر تم مصلحت سمجھو تو اس کو اپنی شرن میں لیلو"۔

اننت مشر اسی وقت اودے پور کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی وہ مسافت میں تھا کہ چار بنئے اس کو راہ میں ملے۔ اس کی کمبختی! اُن سے پوچھنے لگا۔ اودے پور یہاں سے کتنی دور ہے؟ یہ بنئے نہیں تھے درحل ڈاکیے تھے اور بنیوں کا بھیس بنا رکھا تھا۔ ان کے رہنے کی جگہ پہاڑ پر قریب ہی تھی۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ اودے پور یہاں سے تھوڑی دور ہے۔ چلو ہم بھی تمہارے ساتھ چلینگے۔

پانچوں آدمی ساتھ ساتھ روانہ ہوئے۔ ابھی مشکل سے وہ دس یا پانچ گز آگے بڑھے ہونگے کہ قزاقوں نے برہمن کو پکڑ لیا! ور ایک درخت کے تنہ سے باندھ کر اس کا مال و اسباب سب چھین لیا۔ مگر جس وقت وہ اننت کو لوٹ رہے تھے۔ ایشور کی مدد سے ایک شاہسوار گھوڑا دوڑاتے ہوئے ادھر سے آنکلا۔ ڈاکو ڈر گئے۔ اور جھٹ پٹ ایک غار میں چھپ رہے۔ شہسوار کو براہمن پر رحم آیا۔ پوچھا کیا بات ہے؟ اُس نے رو رو کر اپنا حال سنایا اور جدھر لٹیرے گئے تھے۔ پتہ بتادیا۔ زیادہ پوچھنے کا وقت نہیں رہا تھا سوار جھٹ پٹ غار کے منہ کیطرف چلا۔ وہ بند تھا۔ مگر اس نے اس کو ٹھاٹھ سے توڑ

ڈالا اور دوسرے لہجہ میں ایک لوٹیرے کا سر دھڑ سے الگ جا پڑا۔ راجکماری کا خط موتیوں کا ہار اور بہت سی اشرفیاں اس کے ہاتھ میں تھیں سوار نے سب لے لیا پھر دوسرے لوٹیرے کی طرف جھکا اس کا اور پھر تیسرے کا بھی یہی حال ہوا۔ پھر سوار نے چوتھے قزاق کے مارنے کیلئے تلوار اٹھائی "اس نے عاجزی سے کہا" مہاراج ادھیراج میری جان بخشی کیجئے۔ شرن دیجئے۔ آپ کے شرن میں آتا ہوں"! سوار نے اسی وقت تلوار کھینچ لی۔ قزاق بولا "مہاراج میں آپکا داس ہوں آپ کے چرنوں کی سوگند کھاتا ہوں۔ آج سے یہ کام کبھی نہ کرونگا۔ اور جیتے جی آپکا داس بنا رہونگا۔ اور اس جان بخشی کے عوض میں ہمیشہ خدمات بجا لایا کرونگا "سوار نے پوچھا تو کون ہے؟ جواب دیا گیا "میں قوم کا راجپوت ہوں۔ آجتک لوٹیروں کا سردار تھا میرا نام مانک لال سنگھ ہے۔ اور آج سے مہاراج کا داس بنا رہونگا سوار نے پھر دریافت کیا" تو نے مجھ کو کیسے پہچان لیا" مانک لال بولا "دنیا میں کون شخص ہے جو راج سنگھ کی شکل دیکھکر اس کو نہ پہچان سکے۔ شیروں کی صورت آپ بتا دیتی ہے"! راج سنگھ نے کہا" جا تیری جان بخشی کی گئی۔ لیکن تو نے ایک غریب برہمن کو لوٹا ہے اس لئے کچھ نہ کچھ سزا دینا ضروری ہے۔ ورنہ آج دھرم میں فرق آ جائیگا"۔ مانک لال گڑگڑانے لگا "مہاراج ایسی ہلکی سزا دیجئے کہ یہ جسم باقی عمر آپ کی خدمت کے لائق رہ سکے۔ میں اپنی سزا کو آپ ہی کا پہنچ گیا۔ راجپوت کیلئے عاجزی کے کلمے زبان سے نکالنا ہی بہت بڑی سزا ہے"! راج سنگھ نے مانک لال کی صورت و شکل کو دیکھا۔ پھر کمر سے چھری کھینچ اس کے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی کاٹ دی۔ مانک لال نے ذرا بھی درد نہیں محسوس کیا۔ راج سنگھ متحیر ہو کر کہنے لگا "راجپوت! میں نے تجھ کو سزا دے دی آج سے تو اودے پور کی رعیت میں شمار

گیا جائیگا۔ وہ رانا کے پاؤں کو چھو کر وہاں کھڑا ہو گیا۔

رانا خط و موتیوں کا ہار لیکر ندی کے کنارے آیا۔ اور ایک چٹان پر بیٹھکر اس خط کو دیکھنے لگا۔ اسی کے نام تھا۔ اُس نے غور کے ساتھ پڑھنا شروع کیا اور ہم بھی لفظ بلفظ اس کا ترجمہ داخل کرتے ہیں۔

"ارجن! آپ راجپوت کل کے دیپک ہو۔ آپ ہندوؤں کے ماتھے کے مکٹ ہو۔ آپ کو ہندوؤں کا سورج کہا جاتا ہے۔ اور آپ اس پدوی کے یوگیہ ہو۔ میں ایک دُکھیا کنیا اور نربل ابلا ہوں۔ راجپوتانہ کے مدھیہ پردیش روپ نگر میں میرا استھان ہے۔ راجہ بکرم سنگھ کی پتری ہوں۔ بیشک سندیہ روپ نگر کا راج چھوٹا ہے۔ ہماری اتنی حیثیت نہیں ہے لیکن میں پھر بھی راجپوتنی ہوں اور راجپوتانہ کی کنیا کہلاتی ہوں۔ اور اس وجہ سے آپ کی دیا پاتر ہوں۔ راجپوت کل تلک! میری بدنصیبی نے یہ دن دکھایا کہ دلی کے بادشاہ نے میرے ساتھ شادی کرنیکا پیغام بھیجا اگر میں نے اچھا نہیں کی تو دلی کے محل میں مجھ کو داخل کر دیا جائیگا شاہی فوج میرے لینے کے لئے آگئی ہے مجھ کو بڑا دکھ ہے۔ راجپوت کل کی ابھمانی کنیا کو مسلمانی دھرم سے نفرت ہے۔ کیسے ممکن ہے ایک راج ہنسنی بگلا کے ساتھ رہ سکے راجپوتنی کا عقد کسی ترک کیساتھ باندھنا سخت غلطی ہے میں سر بکف بیٹھی ہوں قاتل زہر ہمیشہ میری انگوٹھی میں رہیگا چھوٹی ریاست کی لڑکی کے غرور کو لوگ ناپسند کرینگے۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ مگر کچھ ہی کیوں نہ ہو میں نے دل میں کچھ اور ٹھان لی ہے۔ جودھپور، انبر وغیرہ کے عالی شان راجے ہندو پن سے گر گئے اُن سب کے ماتھے کلنک کا ٹیکا لگ گیا۔ ان کی لڑکیاں ترکوں کے محلوں میں دے دی گئی ہیں۔ صرف آپ کی طرف ہندو جاتی ہندو دھرم

اور ہندوپن کی نگاہ ہے کل شام کو میرا یہاں سے کوچ ہوگا۔ میں آپکی انتظار میں ہونگی۔ اگر آپ وقت پر پہنچ گئے تو خیر ورنہ جو کچھ بدا ہے وہ ہوگا۔ میں آخر وقت تک دہلی پہنچتے پہنچتے آپ کا انتظار کرونگی۔ کیونکہ آپ سا ہندو راجہ کیسی ہندو لڑکی کی پکار سنکر غفلت نہ کرے گا۔ یہ سمجھکر پورا پورا وشواش ہے۔ آپ پرتاپ کے لڑکے ہیں۔ جو جنگل میں فاقہ کشی کرتا رہا جس کے لڑکوں کی درختوں کی ڈالیوں میں پرورش ہوئی مگر اُس نے کبھی دھرم کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ آپ میں سانگا کا خون ہے۔ جو میدان کا شیر کہلاتا تھا۔ آپ باپا راؤل کی اولاد ہیں۔ جس کی جوانمردی کے قصے راجپوتوں کی زبان پر رہتے ہیں۔ پرتاب کے نام لینے والے بیر! باپا راؤل کے پتر! سانگا کی ایسی جرات والے پُرش! ایک ابلا تم کو سندیسہ بھیجتی ہے۔ اس کی عزت پر آن پڑی ہے جان پر آن بنی ہے۔ سوائے کشتری بیر کے اور کوئی اس کی رکشا نہیں کر سکتا۔ سنسار کشتریوں سے خالی ہو گیا۔ کہیں کشتری پن دکھائی نہیں دیتا۔ صرف پرتاب کے بنس میں وہ بدیمان ہے۔ آپ اس بنس کے دیپک ہیں۔ ایک ابلا کی فریاد کو سنو اُس کو اپنی شرن دو۔ وہ آپ کی داسی بن کر رہنے کی اچھیا کرتی ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ استری رکشا دھرم ہے۔ اگر آپ کے دل میں کسی شرناگت ابلا کی آواز حرکت پیدا کر سکتی ہے۔ اگر آپ اس کی عزت بچانا ضروری سمجھتے ہیں۔ تو آپ جلد اس طرف کا ارادہ کیجئے۔ تراہ مان تراہ مان! تراہ مان!!!

رانا نے خط کو یہاں تک پڑھا۔ یہ خود راجکماری کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ کاغذ پر کہیں۔ آنسو ٹپکے ہوئے تھے۔ مضمون بقیہ حصہ ذیل تھی

کا لکھا ہُوا تھا۔ رانا کے دل پر اثر پیدا ہُوا۔ کشترانی کے الفاظ میں بڑی زبردست تاثیر تھی۔ اُس نے دیر کے بعد باقی حصہ پڑھنا شروع کیا۔ اس کی عبارت حسب ذیل تھی۔

مہاراج غریب راجپوتنی کی لاج بھی راجپوت کے ہاتھ ہے کشتری کل میں کبھی ایسا اتفاق نہیں ہُوا۔ جب کسی نے عورتوں کی درخواست کی بےعزتی کی ہو۔ عورتوں کے لئے لاکھوں اور کروڑوں کٹ کر مر جاتے ہیں اور پھر بھی ان کو قیمتی رتن سمجھکر اُن کے لئے ہزاروں تدبیریں کرتے رہتے۔ آپ نے دروپدی کا حال سنا ہوگا۔ رکمنی کا قصہ پڑھا ہوگا بھیشم کا چرتر دیکھا ہوگا۔ میں اپنے آپ کو آپ کے شرن میں ڈالتی ہوں۔ میرا ہاتھ پکڑو۔ میری لاج رکھو۔ موتی کا ہار بطور نظر آپ کو بھیجتی ہوں۔ اس کو قبول کرو۔ میں نے انتت مشرا اپنے خاندانی پروہت کو سمجھا دیا ہے۔ جب آپ یہ خط پڑھتے ہونگے وہ اس کو شریان کے گلے میں ڈال دیگا۔ اس سے زیادہ اور کیا لکھوں۔ یہاں تیاریاں ہو رہی ہیں۔ میں موت اور زندگی کے بیچ میں کھڑی ہوں۔ موت کو تو میں جب چاہتی ہوں بلا سکتی ہوں۔ زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اور پوری آشا ہے۔ یہ چھٹی پاکر تم مجھ کو ضرور جیون دان دوگے"!

رانا نے خط کو پڑھا۔ اور وہ فکر میں محو ہوگیا وہ نادان شخص نہیں تھا وہ سمجھتا تھا۔ راجپوتنی کی مدد کرنے میں اودے پور کی کیا حالت ہوگی مگر اس کے دل میں دلیری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ بانکپن آنکھوں سے برستا تھا۔ اس نے دل میں اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اس پیغام کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے۔ نظر اُٹھاکر اُس نے مانک لال سے کہا۔ مانک لال

اس وقت تم اپنے گھر جاؤ۔ گھر کا کام کاج کر کے اودے پور میں آ جائیو۔ اس خط کا مضمون تم نے سن لیا۔ مگر احتیاط رکھنا کانوں کان کسی کو خبر نہ ہونے پاوے کہ اس میں کیا لکھا ہے" یہ کہکر رانا نے کچھ روپے مانک لال کو اٹھا کر دے دیئے۔

اننت مشیر کی حالت کچھ نہ پوچھیئے۔ وہ دل میں متفکر تھا۔ کیا کرنے آیا تھا۔ کیا ہو گیا۔ جب وہ بیچارہ فکر سے پریشان تھا۔ چار آدمی اور آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ وہ ڈرا ایسا نہ ہو یہ بھی لوٹیرے ہوں اور مجھ کو جان سے مار دیں۔ مگر یہ لوٹیرے نہیں تھے۔ رانا کے نوکر تھے اور اس کی تلاش میں آ رہے تھے۔ رانا اس وقت شکار کے لئے اودے پور سے باہر آیا ہوا تھا۔ اتفاق سے اپنے آدمیوں سے علیحدہ ہو گیا اور وہ اس کی تلاش میں ہر چہار طرف پریشان تھے۔

ان سواروں میں سے جو بعد میں رانا کو آکر ملے۔ اس کے دو لڑکے بھی تھے۔ ان کے سوا اور بھی رشتہ دار اقارب جن کی مجموعی تعداد پچاس سے زیادہ نہیں تھی۔ شکار کے لئے آئے ہوئے تھے۔ رانا نے ان سے مخاطب ہو کر کہا" بھائیو! ہماری قسمت اب گردش میں آگئی ہے۔ ہم ایک لڑائی میں جا رہے ہیں۔ اس وقت ہمارے پاس پچاس سے زیادہ آدمی نہیں ہیں۔ اس کا انجام کیا ہوگا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ فتح و شکست ہر دو حالت میں ہم کو سخت سے سخت مصیبتوں کا مقابلہ کرنا پڑیگا۔ جن کو تکلیف کا خیال ہو ان کو اپنے پور واپس جانے کی اسی وقت اجازت ہے"

رانا کی بات سنکر راجپوت سناٹے میں آگئے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ کہ کیا

ہو رہا ہے۔ اور کیا ہونے والا ہے۔ اس کے دونوں لڑکے آگے بڑھے اور رانا سے جو کچھ مخاطب ہو کر کہا۔ اسکے اظہار کیلئے ہم ایک فارسی شاعر کے کلام سے مدد لیتے ہیں۔

آن من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من
آن منم کاندر میان خاک و خون بینی سرے

راجکماروں کی بات سن کر دوسرے راجپوت جوش میں آ گئے اور ایک ایک کہنے لگا۔

سور چلا سنگرام میں۔ کبھوں نہ دیوے پیٹھ
آگے چل پاچھے پھرے۔ تا کا مکھ نہیں دیکھ

رانا نے کہا بہادرو! شاباش۔ کیوں نہ ہو تم شیر مرد ہو مگر تم تعداد میں بہت کم اور تم کو بہت بڑی فوج سے مقابلہ کرنا ہے۔ سوچ سمجھکر قدم اُٹھاؤ۔ راجپوتوں کے چہرے سرخ ہو گئے تھے۔ وہ کہنے لگے ہمارا کام رانا کے پیچھے پیچھے چلنا ہے۔ کم یا زیادہ کی کچھ پرواہ نہیں جہاں رانا ہوگا ہم بھی وہاں ہونگے۔ موت یا زندگی۔ بستی ہو یا جنگل۔ لڑائی ہو یا مجلس۔ راجہ کو ہماری خدمت کی ہر جگہ ضرورت ہے۔ سوچنا اُس کا کام ہے۔ ہم صرف تابع فرمان ہیں۔ وہ خود اچھی طرح جانتا ہوگا۔ ہم کو کہاں سر دینے کی ضرورت ہے۔

انند منشر تو رہائی پانے کے بعد ہی اودے پور کیطرف روانہ ہوا اُس کو خبر نہیں تھی کہ اس کو آزادی دینے والا خود رانا راج سنگھ تھا۔ وہ بے تحاشا دوڑتا ہوا اودے پور جا نکلا۔ اور اُن پچاس آدمیوں کی جماعت نعرہ جنگ کا بلند کرتے ہوئے روپ نگر کی طرف روانہ ہوئی اور ایک پہاڑی راستہ پر موقعہ کے ساتھ چھپ کر بیٹھ رہی۔

روپ نگر میں چنچل کماری کی عجیب حالت تھی۔ گو وہ جانتی تھی

رانا ضرور آویگا مگر وقت تنگ تھا۔ وہ کیا جانتی تھی کہ رانا پہنچ گیا ہے اور راہ میں دہلی کی فوج کی مرمت کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ وہ مایوس تھی۔ مگر کسی قسم کی بے چینی نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر رانا نے آکر مدد کی تو خیر ورنہ قاتل زہر اس کی مدد کے لئے ہر وقت ہاتھ میں موجود ہے۔

مانک لال سنگھ بڑا منچلا ہوشیار اور عقلمند آدمی تھا۔ وہ اپنے گھر نہیں گیا اُس نے رانا کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو ارپن کر رکھا تھا جب یہ سب لوگ پہاڑ کے درہ میں چھپ کر بیٹھے رہے۔ اُس نے مغلوں کیطرح بھیس بنا لیا اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے اِن میں جا کر مل گیا۔

اُدھر چنچل کماری کی رخصت کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ عورتوں نے اس کا اچھی طرح سنگار کر دیا اور بیچاری نے چپکے سے بلا کسی عذر و معذرت کے اپنا کام کرنے دیا۔ جب ذراسی فرصت ملی۔ نرمل بائی اُس کے پاس آئی۔ آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی تھیں چنچل بولی "سکھی! تو کیوں اداس ہے؟" اس نے رو کر جواب دیا "کیا کہوں۔ کیسا مہورت آگیا۔"

چنچل مسکرائی "رانا کے لیکھ کو کون میٹ سکتا ہے بہن! تو کچھ پرواہ نہ کر!"

نرمل "میرے کہنے دھرنے سے ہوتا کیا ہے! میں تیرے ساتھ دہلی چلتی مگر میں جانتی ہوں تیری زندگی کے دن اب گنے ہیں اور تو راہ ہی میں پران تیاگ کر دیگی!"

چنچل "نا بہن، نا! ایسا میں کبھی نہ کرونگی۔ میں آخر وقت تک دیکھونگی میں ڈرپوک بالکا نہیں ہوں۔ کون جانے کب۔ کہاں اور کس کے روپ میں مجھ کو پیارا ایکطرف سے ہنستا ملے۔ تو اپنی بہن کو نادان مت سمجھ میں آخر وقت تک صبر کرونگی۔"

نرمل۔ ایشور تیری مدد کرے۔
چنچل۔ بس اُسی کا آسرا ہے۔
تیار ہوگئی۔ آخری وقت آپہنچا۔ نرمل و دوسری سہیلیاں اس کو راج مندر میں درشن کرنے کے لئے لے گئیں۔ اور سب وہاں جاکر سچے دل سے پرارتھنا کرنے لگیں چنچل نے اپنے دل میں کہا "پربھو! جہاں کوئی مدد نہیں دیتا وہاں تم اپنے بھگت کے ہیت کھڑے رہتے ہو کوئی استھان ایسا نہیں جہاں تمہاری رکشا کا ہاتھ نہ پہنچا ہو۔ داتا! اب تمہارے سوا کسی کا سہارا نہیں رہا ننت منتر کا پتہ نہیں۔ پربھو! ابلا کی لاج تمہارے ہاتھ ہے" چنچل کی آنکھ سے پہلے آنسو نہیں گرے تھے۔ مگر مندر میں وہ دل کھول کر روئی اور پھر وہاں سے واپس آکر ماں باپ سے جدا ہوئی۔ محل میں کہرام مچ گیا۔ اب آج سے چنچل دیکھنے کو نہ ملے گی لوگ ترسینگے اور اس کو نہ دیکھ سکینگے۔
پالکی محل کے سامنے آئی۔ روتی ہوئی چنچل اس پر سوار ہوئی۔ اردگرد مسلمانوں کی فوج تھی۔ ایک ہزار مغل آگے اور ایک ہزار پیچھے تھے۔ پالکی کے آس پاس سہیلیں کے رتھ اور دس بیس ہندو ملازم ساتھ تھے جس طرح کوہستانی ندیاں زور شور سے چلتی ہیں۔ اُسی طرح شاہی فوج نے وہاں سے کوچ کیا۔ یہ سب دل میں بہت خوش تھے۔ جب روپ نگر سے کئی میل کے فاصلے پر چلے آئے چنچل کے کان میں ایک گانے والے کی بھنک پڑی۔ گانے والا اس طرح گا رہا تھا۔

تیری گتی لکھی نہ پری
سو میرے پربھو! تیری گتی لکھی نہ پری (ٹیپ)
رشی منی یوگی تھک ہارے۔ پر شرم بہت کرے

بھید اپار۔ پار نہیں پاویں۔ بدھی متی سکل ہری
سو میرے پربھو! تیری گتی لکھی نہ پری
دینا ناتھ دین کے سوامی۔ دین دیال ہری
بھگتن کو پربھو آن سنبھارا۔ جب جب بپت پری
سو میرے پربھو! تیری گتی لکھی نہ پری

چنچل کے کان کھڑے ہوئے۔ اور سب لوگ تو خوشی میں مست تھے۔ وہ دل ہی دل میں سمجھ گئی۔ پرماتما نے مدد کا سامان پیدا کر دیا۔ اُس کی آنکھ سے پریم اور بھگتی کے آنسو گرنے لگے اور اس نے پالکی کے اندر سر جھکا کر ایشور کا شکریہ ادا کیا۔ "داتا! تو کبھی اپنے پتر یا پتریوں کو نہیں بھولتا!" اب جا کر اس کو تسلی ہوئی۔ یہ گیت گانے والا مانک لال تھا جو بھیس بدل کر پالکی کے ساتھ ساتھ آیا تھا۔ چنچل نے پالکی کی چق اُٹھا کر گانے والے کی طرف دیکھا وہ بھی جان گیا چنچل کماری گیت کا مطلب سمجھ گئی۔

دہلی جانے کی راہ صرف ایک تھی۔ اور وہ اُسی پہاڑی کی طرف سے تھی جہاں رانا راج سنگھ کے ساتھی دشمنوں کی اُمید وانتظار میں بیٹھے تھے۔ وہ نہایت تنگ تھی۔ کہیں چٹان عمودی شکل کے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کا درہ کے بیچ میں پہنچنا تھا کہ پتھروں کی موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ سینکڑوں دب کچل کر مر گئے۔ مگر پتھر برسانے والوں کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ حملہ ابھی فوج کے پہلے حصّہ پر کیا گیا تھا۔ جہاں راجکماری کی پالکی تھی۔ اس تک بھی ان کا اثر نہیں پہنچا تھا۔ مغل گھبرائے یہ معلوم ہوتا تھا۔ گویا آسمان خود پتھر برسا رہا ہے۔ نہ روئے رفتن نہ جائے ماندن۔ سنگ آمد و سخت آمد کا معاملہ تھا۔ ایک ہلڑ سا مچ گیا۔ ایک ایک کو اپنی جان

کی فکر پڑ گئی۔ اتنے میں مسلمانوں نے پیچھے لوٹنے کا ارادہ کیا کیونکہ آگے کی طرف راہ بالکل بند معلوم ہوئی۔ مگر لوٹ کر جانا آسان بات نہیں۔ مانک لال نے دیکھا۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں بنا بنایا کھیل بگڑ جائے یہ سوچ کر مانک لال نے پالکی کو ایک محفوظ مقام پر رکھوا کر وہاں سے ہٹ گیا اور پیچھے کی طرف بھاگ نکلا۔

چنچل اطمینان کے ساتھ پالکی میں بیٹھی رہی۔ مگر مسلمانوں کا دل غیر تھا۔ آگے بڑھ نہیں سکتے تھے۔ پیچھے لوٹنے کا ارادہ نہیں ہوتا تھا۔ راج سنگھ نے اپنے پچاس آدمی قرینے سے جا بجا تقسیم کر رکھے تھے جو موقع کے ساتھ دشمنوں کی نگاہ سے بچتے ہوئے اپنا کام کر رہے تھے۔

اس فوج کا سردار مبارک نامی ایک دانا ہوشیار جرنیل تھا۔ اس نے ادھر ادھر غور کیا۔ گو کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ مگر اس کے دل میں شک گذرا کیونکہ پالکی پر ایک پتھر بھی کسی نے اب تک نہیں مارا تھا اس کو خوف ہوا کہ کہیں چنچل کماری کے لے جانے کے لئے کسی راجپوت نے دھوکا نہ کیا ہو۔ یہ سوچ کر وہ گھوڑے پر سے اتر پڑا اور تنگ راستہ سے واپس جا کر کسی اور راہ سے چلنے کا ارادہ کیا۔ ابھی مشکل سے اس نے لوگوں کو اپنی نیت سے اطلاع دی تھی کہ راج سنگھ کے آدمیوں نے اس پر پتھر برسانے شروع کئے۔ اور پھر مغلوں کی بہت بڑی تعداد ماری گئی۔

مبارک نے ارادہ کر لیا کہ دشمنوں کے پاس جمعیت کم ہے اس لئے اگر استقلال سے کام لیا گیا۔ تو وہ پھر بھی شاہی فوج کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اس نے حکم دیا جس طرف سے پتھر آتے ہیں اس طرف بندوق کا فائر کرو۔ مبارک کے ساتھ جو بندوقچی آیا تھا۔ اس کا تمام تن فولی تھا اس نے ایک باڑھ داغ دی جس سے کچھ مرے اور کچھ راجپوت مارے گئے۔ باقی چھپ رہے۔

مگر دل میں ڈر گئے۔ کیونکہ ان کے پاس بندوق نہیں تھے۔
راج سنگھ نے سیٹی دی۔ راجپوت مڑ کر اس طرح ایک خاص جگہ پر اکٹھا ہو گئے کہ مسلمانوں کی نگاہ ان پر نہیں پڑی۔ اور وہ پیچھے کی طرف سے لوٹ کر دشمنوں پر حملہ کرنے کی تدبیر سوچنے لگے۔ راج سنگھ کو کامیابی میں شک تھا کیونکہ اب اس کے پاس پچاس سے بھی کم آدمی رہ گئے تھے۔ ابھی وہ مشورہ کر رہے تھے۔ کہ کس طرح کام کرنا چاہیئے اور شاہی فوج علیحدہ سوچ رہی ہے کہ کس جگہ دشمنوں کا تعاقب کیا جائے اتنے میں ایک خوبصورت عورت جو سر سے پاؤں تک جواہرات میں غرق تھی۔ ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے راجپوتوں کی طرف آتی ہوئی نظر آئی اس کو دیکھ کر راجپوتوں کو تعجب ہوا۔ اور وہ جوش میں آ کر نعرہ جنگی بلند کرنے لگے۔

یہ عورت چنچل کماری تھی۔ جس نے بندوقوں کے فیر اور پھر رانا کے سیٹی کی۔ آواز سنکر پالکی میں خاموشی کے ساتھ بیٹھ رہنا مصلحت نہیں سمجھا وہ وہاں بے خوفی سے چلی آئی جہاں رانا کھڑا تھا۔ رانا نے پوچھا: "آپ کون ہو؟" اس نے کہا "مہاراج! میں ایک استری ہوں۔ آپ کو پرنام کرنے آئی ہوں اور آپ سے ایک بھکشا مانگتی ہوں"

راج سنگھ: "وہ کیا ہے؟"

چنچل: "میں نے ایسا دلیرانہ اختیار کیا۔ جس کو نیک عورتیں پسند نہیں کرتیں۔ شرم اور حیا یہ استری جاتی کی سب سے بڑی شوبھا ہے۔ اس لئے آپ میری گستاخی اور بے باکی کو معاف کر دیجئے"

راج سنگھ: "یہ کیا بات ہے۔ معافی کیسی! ضرورت کے وقت تم نے

مجھ کو بلا بھیجا - میں راجپوت تھا - تمہاری سیوا کے لئے حاضر ہو گیا۔"

چنچل کماری نے پھر راج سنگھ کے امتحان کی غرض سے ہاتھ باندھ کر کہا "میں چنچل ہوں میری بدھی چنچل اور میرا نام بھی چنچل ہے - اس وقت میں نے کچھ غور نہیں کیا تھا - اب میں دلی جانا چاہتی ہوں۔" راج سنگھ متعجب ہو کر کہنے لگا "مجھ کو تمہارے روکنے کا کوئی استحقاق نہیں ہے جہاں تمہارا جی چاہے - تم جا سکتی ہو - لیکن موجودہ حالت کچھ عجیب قسم کی ہے اگر اس وقت میں تم کو جانے کی اجازت دیتا ہوں تو مسلمان سمجھینگے رانا ڈر گیا - رانا کا بنس کسی سے ڈرتا نہیں - جب تک لڑائی کا خاتمہ نہیں ہو لیتا تب تک تم یہاں رہو - تھوڑی دیر میں فیصلہ ہوا جاتا ہے - پھر میں کبھی تمہاری مزاحمت نہ کرونگا۔"

چنچل "مہاراج! کیا آپ ایک ان سمجھ و ناداں ابلا کی غلطی نہ معاف کروگے؟"

راج سنگھ "ایک کیا دس بیس غلطیاں معاف کی جا سکتی ہیں لیکن یہاں خاندانی عزت پر بات آبنی ہے - تم صبر کرو - ابھی میں اس جھگڑے کا فیصل کئے دیتا ہوں - جاؤ! تیار ہو جاؤ۔"

چنچل ہنسی - ایک چمکتی ہوئی انگوٹھی رانا کو دکھا کر کہنے لگی "اس کے نگینہ کے تلے قاتل زہر ہے - اگر تم میرے سد راہ ہوئے تو میں ابھی تمہارے دیکھتے دیکھتے اپنا کام تمام کئے دیتی ہوں۔"

راج سنگھ قہقہہ مار کر ہنسا "میں نے بہت سی راجپوتنیاں دیکھی ہیں لیکن تم سب میں عجیب و غریب ہو - تم نہیں جانتی ہو ہم نے لڑنے کے موقعہ پر اپنی راجپوت عورتوں کا بھی لحاظ کم کرتے ہیں - جب

دشمن مقابلہ پر ہو۔ وہاں دھرم یہ کہتا ہے۔ ماں باپ۔ بھائی عورت مرد گائے۔ برہمن کسی کا لحاظ نہ کیا جائے۔ کیا مجال! اس وقت تم ہمارے درمیان سے نکل جاؤ۔ سن لو۔ اس وقت تم ہماری قید میں ہو تمہاری حیثیت قیدی کی ہے۔ ہم تھوڑے سے آدمی ہیں۔ اگر ہوشیاری سے لڑتے تو دشمن کو مار گراتے۔ اب ہم کھلم کھلا لڑکر جان دینگے۔ ہمارے مرنے کے بعد تم دلی چلے جانا۔ خواہ اگر ہم کو فتح ہوئی تب بھی ہم کبھی تم کو نہ روکینگے"

راج سنگھ کی بات سنکر چنچل کا دل خوشی سے اچھل پڑا بیر۔ چوڑامنی! تم دھنیہ ہو۔ تم سے ہندوپن کی لاج ہے۔ تم دھرم کو سمجھتے ہو۔ میں تو تمہاری داسی ہوں۔ راجپوتنی ایسے شیر کا ساتھ چھوڑ کر تب گیدڑ کی صحبت میں رہنا پسند کرے گی۔ بادشاہ نے مجھ کو بیگم بنانے کی نیت سے بلا بھیجا تھا۔ میں تمہاری لونڈی ہوں۔ حکم دو۔ ذرا میں اس کے لشکر کو بھی تو دیکھوں جو مجھ کو لینے آئی ہے"۔

یہ کہکر چنچل کماری وہاں سے نکل کھڑی ہوئی سب دیکھ سے رہ گئے۔ کسی کی مجال نہیں تھی۔ کہ اس کو روک سکے۔ وہ وہاں سے خراماں خراماں بیخوفی سے اس جگہ پہنچی جہاں توپوں میں گولے بارود بھر رہے تھے۔ حسن علی نے راجپوتوں کو دیکھ لیا تھا۔ بندوق اور توپ کے فیر کرنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ اسی وقت ایک پری پیکر موتی اور جواہرات میں سر سے پاؤں تک غرق وہاں آکر کھڑی ہوگئی۔ سب ششدر اور متحیر تھے "یہ کون نازک بدن پری جو اس طرح بیخوف وہراس توپوں کے سامنے آکھڑی ہے" چنچل نے پوچھا "تمہارا سردار کہاں ہے؟ مبارک سامنے آیا۔ "کہیئے کیا حکم ہے۔ بندہ حاضر ہے" آپ

کون ہو؟" راجکماری نے کہا "میں ایک معمولی عورت ہوں۔ تم سے ایک درخواست کرنے آئی ہوں۔ ذرا میرے سامنے آجاؤ تو میں کہوں۔" مبارک وہاں آکر کھڑا ہو گیا، جہاں راجکماری تھی۔

چنچل "میں روپ نگر کی راج کنیاں ہوں۔ یہ فوج میرے لینے کے لئے آئی ہے۔ کیا تم میری درخواست منظور کرو گے؟"

مبارک۔ "اگر آپ کا حکم شاہی خدمت کے سدراہ نہیں ہے تو مجھ کو کوئی عذر نہ ہوگا۔"

چنچل "سنو! میری خواہش نہیں ہے کہ میں مسلمان بادشاہ کے ساتھ بیاہی جاؤں کیونکہ ہمارا دھرم ایسی اجازت نہیں دیتا۔ ہمارا باپ کمزور ہے۔ اس لئے خوف سے اس نے مجھ کو تمہارے ساتھ کر دیا۔ مگر میں نے راج سنگھ کو آدمی بھیجکر بلایا۔ یہ میری کم نصیبی ہے۔ اُس کے پاس صرف پچاس سپاہی ہیں۔ تم سمجھ سکتے ہو۔ ان میں کتنی طاقت ہے۔"

مبارک "تم کیا کہتی ہو۔ پچاس آدمی اور اس طرح کثیر تعداد مغلوں کی فوج ماری جائے کبھی ممکن نہیں۔"

چنچل "تم نے شاید ہلدی گھاٹ کے مقابلہ کا حال نہیں سنا۔ راجپوت غضب کے لڑاکے ہوتے ہیں۔ وہ دشمنوں کی تعداد کی پرواہ نہیں کرتے مگر مجھ کو منظور نہیں ہے کہ یہ پچاس قیمتی جانیں بھی ماری جائیں۔ تم کو صرف مجھ سے کام ہے۔ میں تیار ہوں چلو میں دلی چلتی ہوں۔ اب راج سنگھ پر تو چوں کا فیر نہ ہو۔"

مبارک "میں سمجھ گیا تم کو راجپوتوں کی بے بسی پر رحم آیا۔ تم اب خوشی سے ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہو۔ اور خون خرابہ کو پسند نہیں کرتی

ہو۔ مجھ کو کوئی عذر نہیں لیکن راجپوت کیا کہتے ہیں ؟
چنچل "راجپوت بھلا کب مرنے و مارنے سے باز آنے والے ہیں میں تمہارے پاس ہوں۔ تم ان سے صلح کرادو۔ اور مجھ پر مہربانی کر کے لڑنے سے باز آؤ"
مبارک "مگر لٹیروں کے گروہ کو کچھ سزا دیئے بغیر چلا جانا گناہ ہے۔
چنچل "معلوم ہو گیا تم میرا کہنا نہ مانو گے"
مبارک گھبرایا۔ "نہیں بہت اچھا ہے۔ جب آپ چلنے کو تیار ہو۔ تو میں ہر طرح پر محض آپکی دلجوئی سے اُن کے سد راہ نہ ہونگا"
چنچل "ہاں چلتی تو ہوں۔ مگر جس نیت سے بلائی گئی ہوں وہ ممکن نہیں ہے۔ مجھ کو شاہی حرم میں داخل ہونے سے ہمیشہ انکار رہیگا۔
مبارک۔ "یہ تم کیا کہتی ہو۔ میرے ایسا تجربہ کار آدمی ایسے جھگڑے میں نہیں آسکتا"
مبارک معمولی طبیعت کا آدمی تھا۔ وہ ضرور اس کے قید کرنے کی فکر کرتا۔ اس کی حرکت کو دیکھکر چنچل کماری بولی "یاد رکھو۔ میرے ہاتھ میں قاتل زہر کام تمام کرنے کے لئے موجود ہے" مبارک نے گھبرا کر کہا "بہن! میری کیا طاقت ہے تم پر زور و زبردستی کر سکوں صرف خیال ہے کہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل ہو"
یہ باتیں ہو رہی تھیں راج سنگھ لڑائی کے لئے تیار کھڑا تھا اس نے اپنے سپاہیوں کا موقع بدل دیا۔ کیونکہ توپ یا بندوق سے مقابلہ کرنا مشکل تھا۔
چنچل کماری جب مبارک سے گفتگو کر رہی تھی اس کی نگاہ راج سنگھ

کی حرکت پر تھی۔ جب اُس نے دیکھا کہ راج سنگھ نے موقع بدل دیا۔ وہ چپکے سے وہاں سے روانہ ہوگئی۔ اور وہ رانا کے پاس آکر کہنے لگی "یہ لڑائی سے بچنا غیر ممکن ہے آپ دیا کر کے اپنی تلوار مجھ کو دیجئے۔ میں آپ کی داسی ہوں۔ اور ہو سکا تو آپ کے ساتھ ساتھ جان دونگی"۔

راج سنگھ نے ہنس کر کہا "تو دیرانگنا دیوی ہے۔ لے یہ تلوار میں تجھ کو سپرد کرتا ہوں۔ لیکن اس وقت لڑنا تیرا کام نہیں ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ لوگ کہینگے رانا نے استری سے مار دلی تھی"۔

چنچل بولی "آپ استریوں کو کیا سمجھتے ہو۔ ایسا لفظ آپ کی زبان سے نکلنا مناسب نہیں ہے"۔

مبارک ابھی حیص بیص میں ہے۔ راج سنگھ کی جماعت پہاڑ کے ایک محفوظ گوشہ میں حملہ کرنے کی نیت سے کھڑی ہوئی ہے اتنے میں توپ پیچھے کی طرف سے سر ہونی شروع ہوگئی۔ اور بہُت سے مسلمان مارے گئے۔ کیونکہ وہ اب تک آپس میں سوچ رہے تھے۔ کہ کیا کرنا چاہیئے! اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ صرف چند آدمی بچے تھے۔ جو بھاگ نکلے۔ اور اب راج سنگھ نے ان پر حملہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ سب کو تعجب تھا کہ یہ آسمانی مدد کدھر سے آگئی۔ مسلمان جانتے تھے پچاس آدمی کیا مقابلہ کر سکینگے اور ادھر رانا بھی مرنے کے لئے تیار تھا۔ وقت پر اس قسم کی مدد ملنا تعجبات سے تھا۔ کیونکہ کسی کو اس کا شان و گمان بھی نہیں تھا۔

بات یہ ہوئی۔ مانک لال سنگھ جو بڑا موقع بین آدمی تھا راج سنگھ کی کمزوری سے ناواقف نہیں تھا۔ جب ادھر پہاڑ پر مسلمانوں پر راجپوتوں

نے حملہ کیا۔ وہ جلدی سے روپ نگر میں پہنچا۔ اور کسی طرح حکمت عملی سے راجہ کی فوج کو مدد کیلئے آمادہ کر لایا۔ اور اُس نے بڑی خوبی کے ساتھ شاہی فوج کو پائمال کر دیا۔ اور رانا کے آدمیوں کو بھی موت کے پنجہ سے صاف بچا دیا۔

راج سنگھ چنچل کماری کو ساتھ لیکر اودے پور آیا۔

جب مسلمانی فوج غارت ہوگئی۔ مانک لال سنگھ رانا کے پاس آیا اور اُس کے رکاب کو بوسہ دیا۔ رانا نے پوچھا اب تک تم کہاں تھے۔ اُس نے کہا۔ میں مہاراج کی خدمت میں ہی مصروف تھا جس وقت میں نے شاہی فوج کی تعداد کا اندازہ لگا لیا۔ مجھ کو خوف ہوا کیونکہ میرے نزدیک پچاس آدمی اس کے مقابلے کے لئے کافی نہیں تھے۔ میں نے موقع دیکھکر روپ نگر سے مدد مانگنی مصلحت سمجھی۔ اور ایشور کا شکر ہے۔ مجھ کو موقعہ کے ساتھ مدد مل گئی۔ اور آپ نے دیکھ لیا یہ اُس کا نتیجہ تھا"۔ رانا نے مانک لال کو شاباش دی اور اُس وقت سے وہ منظور نظر بن گیا۔

چنچل کماری رانا کے محل میں داخل ہوئی۔ اور جب ہر طرح سے اطمینان ہوگیا۔ رانا نے اس کو پاس بلا بھیجا۔ وہ شرم سے گردن جھکائے ہوئے آئی۔ اور اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ رانا نے کہا "راجکماری! میں نے تمہارے حکم کی تعمیل کردی۔ تم مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ رہیں اب جو کچھ تمہاری خواہش ہو کہو۔ میں تم کو روپ نگر بھیج دوں یا تم جہاں چاہو وہاں رہ سکتی ہو۔

چنچل "مہاراج! آپ مجھ کو ہرلائے ہو۔ کشتریوں میں اکثر اس قسم

کے واقعات ہوئے ہیں۔ گو وہ کسی حالت میں پسندیدہ نہیں ہیں۔"

رانا "میں نے تم کو ہرا نہیں۔ بلکہ کشتری دھرم کی رکشا اور راج کل کی عزت کے خیال سے تمہاری مدد کے لئے گیا تھا۔ اب تم کو مسلمانوں کے ہاتھ سے آزادی مل گئی۔ جہاں تمہارا جی چاہے وہاں میں بھیج سکتا ہوں۔"

رانا کی باتوں نے چنچل کے دل میں گہری عزت پیدا کی۔ راجکماری حد درجہ کی خوبصورت تھی۔ دیس دیس کے راجہ اُس کے ساتھ شادی کرنے کیلئے رضامند تھے۔ اس نے راج سنگھ کو صرف مدد کے لئے بلایا تھا۔ موتی کا ہار دوسرے لفظوں میں شادی کا پیغام تھا۔ مگر شیر دل رانا نے چنچل کو مجبور کرنا خواہ اس کی آزادی چھیننا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اس نے بخوشی تمام اس کو سمجھا دیا کہ اصلی راجپوت میں سفلی جذبات مغلوب ہوتے ہیں۔ چنچل کے دل میں جہاں اُس کے لئے تعظیم پیدا ہوئی وہ سخت پیچ و تاب میں پڑ گئی۔ بیچاری کیا کہتی عورتیں مردوں کی طرح صاف صاف گفتگو کرنا نامناسب اور خلاف اصول سمجھتی ہیں وہ اُسی طرح شرم سے سر نیچے کئے ہوئے کہنے لگی "مہاراج! میں نادان لڑکی ہوں۔ میں راج دھرم یا کل دھرم کو کیا جانوں۔ اگر آپ کو اسی طرح بات چیت کرنا تھا۔ تو آپ نے مجھ کو کیوں دلی نہ جانے دیا۔ حالانکہ میں نے اس وقت آپ سے درخواست بھی کی تھی۔"

رانا نے کہا "مجھ کو اپنے پرکھوں کی عزت کا پاس تھا۔ میں نے تم کو قول دے دیا تھا کہ لڑائی کے بعد تم کو کوئی نہ روک سکیگا۔ اس لئے اب میں اُس قول کی تائید میں اس طرح گفتگو کر رہا ہوں۔"

چنچل "مہاراج! آپ دھنیہ ہو۔ قول کا پاس کرنا سورج بنسی کشتریوں کا پرم دھرم ہے"

رانا۔ راجکماری! بات یہ ہے۔ اودے پور والوں نے بڑی سختی برداشت کرکے اس سبق کو سیکھا ہے۔ کہ کسی کی آزادی کو نقصان نہ پہنچانا چاہیئے جس وقت تم نے میرے پاس اپنا خط اور ہار بھیجا تھا۔ وہ تکلیف اور مصیبت کی حالت تھی۔ فکر و تردد میں عقل زائل ہوجاتی ہے۔ آدمی اُس وقت ایسا کام کرگذرتا ہے۔ جس کے لئے بعد کو افسوس کرنا پڑتا ہے۔ بھیشم پتامہ وچترویریہ کے لئے کسی راج کماری کو ہرلایا تھا۔ اس کا دل کسی اور راجہ پر تھا۔ نتیجہ دونو کے لئے ناقص نکلا۔ اس لئے میں تم کو پورا پورا اختیار دیتا ہوں۔ جس طرح مناسب ہو ویسا عمل کرو"

چنچل "مہاراج میں تمہاری شرن میں آئی تھی۔

رانا "تم نے میرے خاندان کو بڑی عزت دی۔ میں خوش ہوں اور تم اودے پور کو کشتری دھرم کا پالن کرسکو گی۔ لیکن ایک بات اور ہے۔ تاوقتیکہ تمہارے ماں باپ خوشی سے اپنے اشیرباد کیساتھ میری عزت افزائی نہ کریں۔ ممکن ہے بعد کو تم کو خود رنج ہو۔ اس لئے اگر مناسب سمجھو۔ تو تم روپ نگر جاکر اپنے ماں باپ سے مل آؤ"

چنچل۔ مہاراج! میں باپ نے مجھ کو اورنگ زیب کے پاس بھیجنا چاہا تھا۔ کیا آپ پھر وہاں مجھے کو رہنے کی اجازت دیتے ہو"

رانا نے چنچل کماری کو غور کی نگاہ سے دیکھا۔ اور اس کو مہارانی کہ کر اپنے قریب ایک کرسی پر بٹھا لیا۔ اس کے بعد اُنکی شادی کی

رسم ادا ہوئی اور وہ اودے پور میں جورو خاوند کی حیثیت میں رہنے لگے۔ رانی نے سب سے پہلے فوج کی آراستگی کا حکم دیا۔ اور اپنی سکھی۔ نرمل کماری کو روپ نگر سے بلا کر مانک لال سے بیاہ کر دیا۔

جب اورنگ زیب نے یہ خبر سُنی کہ چنچل کماری اودے پور چلی گئی۔ اُس کے غصّہ کی آگ بھڑک اُٹھی۔ سارے دِلی میں شور مچ گیا۔ اس وقت سے اورنگ زیب کو راجپوتوں کے ساتھ خاص قسم کی دشمنی پیدا ہو گئی اُس نے جذیہ وصول کرنے کے بہانے کتنے گاؤں غارت کر دیئے اور تمام راجپوتانہ میں ایک مندر بھی نہیں بچا۔ جس کی مورتیوں کے ناک نہ کاٹے ہوں۔ جن لوگوں نے آبو پربت پر یا اس کے اردگرد کے عالیشان خوبصورت مندر دیکھے ہیں۔ وہ ہمارے قول کی تائید کرینگے۔ آبو پر جینیوں کا ایک بہت بڑا مندر ہے جو تاج کے بعد ہندوستان میں بہت خوبصورت سمجھا جاتا ہے چینی نسبتاً زیادہ امن پسند گروہ ہے۔ مگر غصّہ کے جذبہ میں بادشاہ نے ہندوؤں کے ساتھ ان کے بھی معابد و مندروں کو ناپاک کر دیا۔ کتنے مسمار کئے گئے۔ کتنوں کی جگہ مسجدیں تعمیر ہوئیں اور جن کے منہدم کرنے میں وقت اور کثیر روپیہ کے صرف کا اندیشہ تھا۔ ان کی مورتیں توڑ ڈالی گئیں۔ رانا راج سنگھ نے چنچل کی صلاح سے ایک خط اورنگ زیب کو حیرت ناک عبارت میں لکھا۔ مگر کوئی نتیجہ نہیں ہوا۔ اس کے جواب میں راج سنگھ کو کسی کی زبانی کہلایا گیا اس گستاخی کی سزا اودے پور کو کبھی برداشت کرنی پڑیگی۔ چنچل کماری غافل نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اورنگ زیب اپنے دِل کا بخار نکالیگا۔ اسلئے وہ خود فوج کی آراستگی میں دلچسپی لینے لگی۔ اور جہانتک ہوسکا کوئی دقیقہ راج کی حفاظت کا فروگذاشت نہیں کیا گیا۔

اورنگ زیب بہت بڑی فوج لیکر اودے پور چڑھ آیا۔ مورخ کہتا ہے یا تو اتنی فوج لیکر ایران کے بادشاہ کیخسرو نے یونان پر چڑھائی کی تھی یا اورنگ زیب ما بعد زمانہ میں اودے پور کی بربادی کی نیت سے ساتھ لایا تھا۔ اودے پور کی دہلی کے سامنے کیا حیثیت تھی۔ ہاتھی اور مچھر کی لڑائی تھی اس قدر فوج اس ملک میں کبھی اکٹھی نہیں ہوئی تھی وہ پورا پورا ارادہ کر کے آیا تھا کہ اودے پور کی نسل کا ایک آدمی بھی زندہ نہ رکھا جائیگا اور جس نے اپنے باپ کو اندھا کیا۔ اپنے تین بھائیوں کو بیرحمی سے قتل کرایا۔ اور ان کی اولاد کو چن چن کر مار ڈالا۔ وہ کسی گستاخ غیر مسلمان کا کب زندہ رہنا گوارہ کر سکتا تھا۔ مگر مثل مشہور ہے ۔ ؎

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

اور اس مقولہ کی سچائی ہم اس لڑائی کے نتیجہ میں دیکھتے ہیں۔

اورنگ زیب کی فوج چار حصوں میں منقسم تھی۔ اورنگ زیب نے چاروں طرف سے اس کو گھیر لیا راج سنگھ بھی موقعہ بین آدمی تھا۔ اس نے میدان چھوڑ دیا تا قلیل تعداد لشکر کب اورنگ زیب کا سامنا کر سکتی تھی وہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ جس کے راستے سخت دشوار گذار تھے اور سوا جری اور ہوشیار راجپوتوں کے کسی غیر جگہ کے آدمی کو ان پر قدم رکھنا مشکل کام تھا۔ پہاڑ پر آکر رانا نے بھی فوج کے تین حصے کر لئے۔ ایک دوباری۔ دوسرا دیلواڑی۔ اور تیسرا حصہ نین پورب کی طرف قائم کیا گیا۔ راج سنگھ میں سانگا اور پرتاب کا خون تھا اس موقع پر اس نے کسی کا اعتبار نہیں کیا اپنے خاص دو لڑکوں کو بلا کر کہا راول باپا کے نبیرو۔ آج جیسی فوج کشی اودے پور میں ہوئی ہے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ بابر یا اکبر کے زمانے میں سانگا اور پرتاب پریشان کئے گئے۔ اس

وقت مسلمان ملک پر اچھی طرح متسلط بھی نہیں تھے۔ اب دہلی اپنے عروج پر ہے۔ اودے پور کمزور ہے۔ اُدھر بیشمار فوج ہے ادہر اسمنے گنے آدمی ہیں۔ مگر ہم کو اپنے استقلال اور دلیری پر بھروسہ ہے کیونکہ اودے پور کی عزت قائم رکھنے میں ہم میں سے ایک شخص بھی میدان کو زندہ نہ چھوڑیگا دونوں لڑکوں نے باپ کو سلام کیا۔ اُس نے جے سنگھ بڑے لڑکے کو پچھم کے ناکے پر تعنیات کیا۔ اور چھوٹے بیٹے بھیم سنگھ کو پورب کی طرف مقرر کیا اور آپ نے بیچ کے تنگ درہ کو روک رکھا +

یہ لڑائی قومی لڑائی نہیں تھی + بلکہ دو خاندان لڑنے کے لئے اکٹھے ہوئے تھے +

اورنگ زیب کا ایک لڑکا اکبر دیباری کی طرف پچاس ہزار فوج کی کمان پر تھا۔ اعظم شاہ درمیانی حصہ پر مامور تھا۔ تیسری جگہ اودے ساگر تالاب کے قریب وہ خود خیمہ زن تھا۔ شاہزادہ اکبر نے دلیری سے کام لیکر پہاڑی پر قبضہ کرنا چاہا۔ جے سنگھ تڑپتے ہوئے شیر کی طرح اس پر گرا۔ اکبر نے بھاگ کر گجرات کا راستہ لیا۔ اعظم شاہ کی فوج مقابل میں آئی اس کی بھی حالت ردی ہو گئی۔ اور مغلوں میں کچھ ایسی کھلبلی پڑ گئی۔ کہ سب بھاگ نکلے۔ اس موقعہ پر کروڑوں روپیہ کا مال راجپوتوں کے ہاتھ آیا۔ ہاتھی۔ گھوڑے۔ اونٹ خیمہ۔ خرگاہ۔ رسدگاہ کا سامان لڑائی کے ہتھیار۔ ان کو ملے۔ راجپوت پہاڑی راستوں پر جان دینے کے لئے ڈٹے ہوئے تھے۔ سب نے سمجھ لیا تھا۔ کہ یہ اودے پور کا آخری وقت ہے۔ اور اس لئے سب دل کھول کر بہ جرأت ہو کر لڑتے تھے۔ راج سنگھ نے موقعہ دیکھ کر بادشاہی فوج پر حملہ کر دیا تھا۔ اور ان کو گھیر گھیر کر مارا۔ اس جگہ شہزادوں کی زیبا النساء

اور اودے پوری بیگم بھی بادشاہ کے ساتھ تھیں۔ جس ہاتھی پر یہ دونوں سوار تھیں۔ راجپوتوں نے اس کو قید کر لیا۔ اور تو بھاگ گئے یہ قید ہو گئیں۔ ان میں جودھ پوری بیگم بھی تھی جس کو رانا نے قید نہیں کیا۔ بلکہ عزت و آبرو کے ساتھ اورنگ زیب کے پاس بھجوا دیا۔ اورنگ زیب نے لوٹ کر پہاڑ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر جب پتھروں کی سخت بارش ہونے لگی۔ اور ادھر سے گولے آنے لگے اس کے ہزاروں آدمی اور گھوڑے کام آئے۔ آخر میں مجبوراً لپلپا ہونا پڑا۔ وہ چاہتا تھا اودے پور کو ہمیشہ کے لئے غارت کر دے۔ مگر کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑا۔ اس کی حالت خود سخت افسوس ناک ہو گئی۔ ایک موقعہ پر راجپوتوں نے اودے ساگر کے قریب اس کو گھیر لیا۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنی حفاظت کی۔ اس کی دوسری بیگمیں اس حالت کو دیکھ کر سخت پریشان ہو گئیں۔ ان کی پریشانی نے اورنگ زیب کو اور مصیبت میں ڈال دیا۔

اودے پوری بیگم اور زیب النسا دونوں قید میں تھیں۔ مہارانی چنچل کماری نے اودے پوری بیگم کو اپنے پاس بلا بھیجا اور ان کے عزت آبرو کے خیال سے علیحدہ ایک مسند تیار کر دی اس کے پاس آنے سے پہلے اودے پوری مایوس و غمگین تھی۔ مگر چنچل کماری کی شائستگی و اخلاق کو اس کے خوف کی علامت سمجھ کر اس کو غرور آگیا چنچل نے اسکو اچھی طرح بٹھایا۔ وہ کہنے لگی "کیوں! معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری موت آگئی۔ اس وجہ سے ہم کو اس ہیبت کدائی سے بلا بھیجا ہے؟" چنچل اس کی بات سن کر ہنسی "بیگم! تم کو معلوم نہیں۔ راجپوت اپنی موت و زندگی خود اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ ہاں اس وقت تمہاری موت و زندگی بیشک ہمارے ہاتھ میں ہے۔ مگر ہم اس کے فیصلے کے لیے تیار نہیں ہیں

تم کو اس واسطے بلا بھیجا ہے کہ ہمارا حقہ بھر دو۔" اودے پوری بیگم سہم گئی۔ سر سے پاؤں تک پسینے میں نہا اُٹھی۔ غصہ کے لہجہ میں اُس نے جواب دیا اور بادشاہ کی بیگمیں حقہ نہیں بھرتی ہیں۔ چنچل بولی "ممکن ہے کسی وقت تم بادشاہ کی بیگم رہی ہو۔ مگر اس وقت تمہاری حیثیت قیدی کی ہے۔ تم میری داسی ہو۔ اس لئے حقہ بھرنے کا حکم دیا ہے۔" اودے پوری بیگم کے تلوؤں میں آگ لگ گئی "تمہارا کیا مقدور ہے۔ کہ بادشاہ کی بیگم سے حقہ بھرواؤ۔" چنچل کماری نے جواب دیا "تم ایسا نہ کہو۔ مقدور اختیار والے کا ہوتا ہے۔ کسی وقت تمہارے بادشاہ کو رانا کا حقہ تیار کرنا پڑیگا۔ تمہاری کیا ہستی ہے۔" چنچل نے ایک داسی کو اشارہ کیا وہ اودے پوری رانی کو اٹھانے لگی مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں اُٹھی۔ آخر میں دو داسیوں نے اُسے اُٹھایا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ اور جب چلم اس کے ہاتھ میں دی گئی۔ وہ بیہوش ہو کر گر پڑی۔ لونڈیوں نے اس کو اُٹھا کر ایک صاف اور ستھرے پلنگ پر لٹا دیا۔

اس کے بعد مہارانی زیب النسا کو بلایا۔ یہ سن چکی تھی۔ کہ اودے پوری بیگم کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے۔ یہ متفکر ہو گئی۔ مگر جب مہارانی کے پاس آئی۔ اُس نے شائستگی سے استقبال کیا اور ایک علیحدہ گدی پر بٹھایا۔ زیب النساء بڑی دوراندیش اور مدبر عورت تھی۔ اُس نے تہذیب کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ چنچل اس کو مل کر بہت خوش ہوئی اور اپنے ہاتھ سے عطر اور پان دیا۔ لونڈیاں اس کی خدمت کرتی رہیں۔ کوئی ناخوشگوار گفتگو نہیں ہوئی۔ اور وہ جیسے عزت کے ساتھ آئی تھی ویسے ہی اپنے کمرہ میں واپس گئی۔ بعد کو زیب النساء

اور چنچل کماری میں ایک قسم کی محبت سے پیدا ہو گئی اور شہزادی اکثر اس کا شمار یہ ادا کرتی رہتی تھی۔

دوسرے دن اودے پوری بیگم پھر چنچل کماری سے ملی۔ اور اُس دن اپنی رہائی کے عوض بہت کچھ زر و جواہر پیش کرنا چاہا۔ رانی نے کہا "تم اگر ہماری اطاعت قبول کرو تو البتہ ہم تم کو رہا کر سکتی ہیں" اودے پوری بولی "دہقانی لڑکی! تیری یہ جرأت سخت تعجب انگیز ہے۔ یہ گستاخی کبھی معاف نہیں کی جائیگی" یہ کہکر وہ اُٹھی اور وہاں سے چلنے کو تیار ہوئی۔ چنچل کماری ہنس کر کہنے لگی "ہاں میں دہقانی لڑکی ضرور ہوں۔ آج تم کو اس کی لونڈی ہونے کی عزت دی گئی ہے۔ اور تم جاتی کہاں ہو؟ کیا تم کو یاد نہیں ہے۔ تم اس جگہ قید میں رکھی گئی ہو" اودے پوری اس وقت رونے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ مگر یہ اُس کی اپنی نادانی تھی۔ وہ فضول چھیڑ چھاڑ کر کے چنچل کماری سے تہذیب و اخلاق کیا فائدہ نہ اُٹھا سکی۔

اورنگ زیب کی حالت سخت ابتر ہو گئی۔ یہاں تک کہ رسد کی کمی سے اس کے آدمی پریشان ہو گئے اور ہاتھی گھوڑے نہ صرف ضائع ہو گئے بلکہ بہت کچھ سامان راجپوتوں کے ہاتھ پڑا۔ اس نے مجبور ہو کر صلح کی تحریک کی اور اپنے خاص خاص سرداروں کو بلا کر ان سے مشورہ لیا۔ دیال شاہ جو اس کا وزیر اعظم تھا صلح کے برخلاف تھا۔ کیونکہ اورنگ زیب نے ہندوؤں کو بہت ستا رکھا تھا۔ مگر رانا راج سنگھ نہایت نیک اور دانا شخص تھا۔ وہ جانتا تھا اورنگ زیب صرف پریشانی کی وجہ سے صلح کرنا چاہتا ہے اور اسکے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔ تاہم اس نے صلح کرنے میں مصلحت سمجھی اور اُنے

کی رعایا سخت تنگ ہو گئی تھی۔

جب صلح کی شرطیں منظور ہو گئیں۔ چنچل کماری نے ارادہ کیا۔ کہ اودھےپوری بیگم کے غرور کو ضرور نیچا دکھایا جائے۔ اس نے بیگم کے کان میں جھک کر کہا اور بغیر حقہ بھرے ہوئے تم کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اودھےپوری بیگم نے لال پیلی آنکھیں کیں۔ "کمبخت! تیری زبان کٹوا لونگی۔ ذرا دلی جانے دے پھر میں تجھ سے و چنچل کماری سے سمجھ لونگی۔" چنچل کماری نے اس کے الفاظ سن لئے۔ اس نے بیگم سے کہا "میں نے سنا ہے۔ مہارانا نے بادشاہ پر رحم کیا ہے تم کو ہمارا احسان ماننا چاہئے تھا۔ احسان فراموشی سب سے بڑا عیب ہے۔ تم تو ہم سبھوں کی زبان ضرور کٹواؤ گی۔ اس وقت دیکھا جائیگا کیا ہو سکتا ہے۔ رانا کو بادشاہ کو چھوڑ دینے کا اختیار تھا۔ زنانخانہ کی مالک میں ہوں۔ شاہزادی زیب النساء کو اجازت ہے وہ عزت و تکریم سے ساتھ جائیں۔ تم کو اس وقت حکم ملے گا۔

جب تم حقہ بھر لاؤ گی۔" زیب النساء نے بہت کچھ عاجزی کی۔ رانی کو سمجھایا۔ مگر وہ مزاج کی ضدی تھی اس نے کہا "کچھ بات نہیں اس عورت کی وجہ سے فساد ہوا ہے۔ یہ بانیٔ فساد ہے۔ اس سے کہو چلم تیار کرے جب تک ایسا نہ کرے گی میں کبھی جانے کا حکم نہ دونگی۔ آپ جا سکتی ہو" آخر جب بیگم نے دیکھا کہ وہ کسی کی سننے والی نہیں ہے مجبوراً تنگ آمد سخت آمد۔ اس نے چلم پر آگ رکھی۔ اور حقہ پیش کیا۔ چنچل کماری نے کہا "دیکھا اب تمہارا حوصلہ نہ پڑے گا۔ کہ کسی کو گنوار کہو یا حقہ بھروانے کا حکم دو۔ اب شہزادی زیب النساء کی سفارش سے تم کو جانے کی اجازت ہے۔ جی میں آئے اور تمام زیب سے کہو۔ جو لڑکی بادشاہ کی تصویر پر لات مارتی ہے خواہ جو بیگم

سے حلم بھروانے کا دعوے کرتی ہے وہ دُنیا کی کسی طاقت کا خوف نہیں کرتی"
بیگم رونے لگی۔ زیب النسا بہت خوشی کے ساتھ سے چنچل کماری سے
ملی اور جب یہ دونوں شاہی خیمہ میں داخل ہوگئیں۔ اسی وقت کوچ کا حکم
سنا یا گیا +

کچھ عرصہ کے بعد اورنگ زیب نے عہدنامہ کو چاک کردیا۔ اور لڑائی پر
آمادگی ظاہر کی۔ جب رانا نے سُنا۔ اس کو غصہ آیا۔ سالہا سال کی لڑائی
میں اس کی فوج کم ہوگئی تھی۔ راجستھان کے راجے اس کی مدد سے گھبراتے تھے
تاہم اُس نے کبھی خوف کا اظہار نہیں کیا جب اورنگ زیب اس کے اوپر
چڑھ آیا۔ درگاداس راٹھور اکیلا اس کا مددگار تھا۔ سیواجی مرہٹہ کوئی چیز
نہیں ہے۔ اگر درگاداس میرے قبضہ میں آجائے۔ تو مجھے ہمیشہ کے
لئے امن ہوجائے۔ رانا اور درگاداس نے ملکر اس موقعہ پر بھی اس کو
شکست فاش دی اور راجپوتوں سے اس موقعہ پر بھی اس کو سخت زک
پہنچی۔ آخر سرپیٹ کر پھر صلح کرنی پڑی +

چنچل کماری کی شادی سے روپ نگر اودے پور کا دوست بن گیا اور
اُن کے درمیان عہدنامہ ہوا کہ جب اودے پور پہ کوئی غیر شخص حملہ کریگا
وہ دو ہزار گھوڑے مدد کے لئے فراہم کردے گا۔ بکرم سنگھ خود رانا سے
آکر ملا۔ اور چنچل کماری کی شادی کو اُس نے اپنے خاندان کی عزت سمجھی
پشتہا پشت کی دشمنی ہمیشہ کے لئے بھول گئی +

چنچل بڑی وفادار اور فرمانبردار بیوی تھی۔ رانا کی خدمت اس طرح کرتی
تھی۔ گویا وہ اُس کی داسی تھی۔ ان دونوں میں نہایت گہرا پریم تھا۔ دونوں
ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر آنند و منگل کی زندگی بسر کرتے رہے

اور شانتی کے ساتھ دُنیا سے کوچ کیا +

ہمارے پڑھنے والو! یہ ہندو پن کا گھمنڈ واقعی قیمتی دولت ہے جن میں سیلف ریسپکٹ اور قومی عزت کا خیال ہوگا۔ کیا کوئی طاقت دنیا میں ان کو پامال کر سکتی ہے؟ ہماری کیا حالت ہے۔ نہ نام کی پرواہ نہ ننگ کا خوف۔ ہم نہیں سمجھتے کس کام کے کرنے سے ہماری عزت ہے کس میں بے عزتی ہے۔ ایشور کرے پنچل کماری کا یہ سانحہ تم کو سیلف ریسپکٹ کا سبق سکھلائے۔ تم میں قومی غرور پیدا ہو اور تم بھی اپنے آپ کو انسان سمجھنے لگ جاؤ!

سُندر بائی

دھیرے دھیرے۔ دھیرج کرو۔ دھیرے سب ہی بنا ہے۔
مالی۔ سینچے رکشن[1] کو۔ رتو آئے پھل کھائے ہے

[1] درخت

کیسری سنگھ کا گھر ودھی پور سے کئی کوس کے فاصلے پر واقعہ تھا یہ میلا تا جی تعلقہ کا راجہ تھا۔ سندر بائی اس کی لڑکی تھی۔ راجہ نے ناز و نعمت کے ساتھ اس کی پرورش کی تھی۔ یہ نہ صرف سنسکرت زبان کی عالم تھی بلکہ نیائے شاستر کے سمجھنے میں فہم رسا رکھتی تھی۔ ہمت بلند ارادہ کی مضبوط دل کی اچھی۔ حسن میں بے مثال غرضیکہ جیسا اس کا نام تھا ویسے وہ ہر بات میں سندر تھی +

الھڑپن کے دن تھے۔ ایک دن وہ سکھیوں کو ساتھ لے کر اپنے باپ کے باغ میں آئی اور چہل دل لگی کرنے لگی۔ سندر بائی فطرتی طبیعت

کے آدمیوں کو بالکل پسند نہیں کرتی تھی۔ اس وجہ سے اس کا وقت زیادہ تر تفریح و خوشی میں گذرتا تھا۔ باغ ہرا بھرا دیکھ کر اس کا دل خوش ہوگیا اسکے وسط میں ایک خوبصورت کوٹھی بنی ہوئی تھی جو اس زمانہ کے مذاق کے بموجب ہر طرح پر آراستہ تھی۔ کچھ دیر تک لڑکیاں اس کوٹھی میں ٹھہریں پھر باغ میں درختوں کے نیچے بیٹھ کر گانے اور ہنسی دل لگی کرنے لگیں ٭

اتفاق کو دیکھئے جس وقت وہ تفریح میں مصروف تھیں۔ دیبھی پور کا ولی عہد بیر سنگھ شکار کھیلنے کے ارادہ سے باہر نکلا تھا اسکے ساتھی اسکو پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ دھوپ کی تپش سے پریشان ہو کر وہ کیسری سنگھ کے باغ میں آیا اور ایک سایہ دار درخت کے تلے زین پوش بچھا کر لیٹ رہا۔ لڑکیاں اسی درخت کے آس پاس کہیں بیٹھی ہوئی خوش الحانی سے گا رہی تھیں آواز میں قدرتی کشش ہوتی ہے۔ یہ ضبط نہ کر سکا۔ دل میں خواہش ہوئی کہ خود بھی گانے والوں کے مجمع میں شریک ہو کر طبیعت کو خوش کرے۔ اس ارادہ سے وہ دبے پاؤں اٹھا اور وہاں پہنچا جہاں یہ سب گا رہی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ وہ لڑکیوں کا مجمع ہے اس لئے ان کے پاس جانا مصلحت نہیں سمجھا۔ ایک درخت کی آڑ میں بیٹھ کر ان کے گیت کو سننے لگا ٭

تھوڑی دیر بعد گانا موقوف ہوا۔ اور ہنسنے کی آواز کان میں آئی۔ ایک لڑکی نے کہا "میری شادی جس مرد کے ساتھ ہوگی میں اس کو خوب ناچ نچاؤنگی مرد اپنی عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھتے ہیں۔ ان کو یہ نہیں معلوم۔ عورت نہ ہو تو مردوں کا کہیں ٹھکانا نہ لگے"۔ دوسری بولی "سکھی! یہ سچ ہے۔ میں تو دیبھی کے راج پتر بیر سنگھ کے ساتھ بیاہ کرونگی۔ اور اس طرح

انگوُر جھاڑ دینگی کہ میراہی ہوکر رہے۔ اگر اس نے میری عزت نہیں کی۔ تو میں بل۔ پراکرم سے اس کو دکھاؤنگی۔ کہ عورتیں کسی کسی بات میں مردوں سے بڑھ چڑھ کر رہتی ہیں۔ تب تو وہ میرا لوہا مانیگا اور شرمندہ ہوکر میرے کہنے میں رہیگا۔ تیمسری نے کہا۔ ارمی راجکماری! یہ کیا کہتی ہے۔ کیا تیرے مارے بیر سنگھ دوسرا بیاہ بھی نہ کرنے پاویگا۔

بیر سنگھ کے کان کھڑے ہوئے۔ یہ کیسری سنگھ کی لڑکی معلوم ہوتی ہے یہاں اب رہنا مناسب نہیں۔ مگر چلتے چلتے اس نے درخت کی آڑ سے اندر بائی کو دیکھ لیا۔ اس کا منہ پورنماشی کے چاند کی طرح روشن تھا۔ اور مکھ سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا خوبصورتی کے سانچے میں ڈھال کر بنائی گئی ہے۔ یہ پھر زیادہ دیر تک وہاں نہیں ٹھہرا گھوڑے کے پاس آکر زین کسا اور سوار ہوکر باغ سے باہر نکل آیا۔ مزید واقفیت کے خیال سے اس نے باغ کے باہر آدمیوں سے پوچھا کیا باغ میں راجہ کی بائی آئی ہوئی ہے۔ اور جب انہوں نے کہا۔ ہاں وہی ہے اس کے دل میں بھی اس کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔

جب وہ گھر واپس آیا اپنے دوستوں کی معرفت باپ سے کیسری سنگھ کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کی درخواست کی کیسری سنگھ اصل و نسل میں شریف راجپوت تھا راجہ نے اپنے پروہت کو بھیجکر اس کی لڑکی کی درخواست کی اور چند روز بعد بڑی دھوم دھام سے ان کی شادی کی رسم ادا کی گئی۔

سندر بائی بیر سنگھ کے محل میں آنے کو تو آگئی۔ مگر بیر سنگھ کو اسکا امتحان لینا منظور تھا وہ چاہتا تھا دیکھوں یہ استری کس طرح اپنی بات

کو سچ کرتی ہے۔ اور اس خیال سے وہ کبھی سندر بائی کے پاس نہیں گیا۔
وہ دل میں سخت حیران تھی۔ کیا اسرار ہے۔ شوہر کیوں محل میں نہیں آتا
مگر کسی طرح اس کو اس کا سبب نہیں معلوم ہوا۔ مجبوراً سنگ آمد و سخت
آمد۔ وہ صبر کے ساتھ اچھے دن کا انتظار کرنے لگی۔ اس کی سکھی سہیلیوں
کو بھی فکر تھا۔ مگر سندر بائی نے کسی شخص پر اپنا رنج ظاہر نہیں
ہونے دیا۔ اور اسی طرح زندہ دلی کے ساتھ دن کاٹنے لگی۔

کئی مہینے گزر گئے۔ ایک دن صبح کے وقت ایک سہیلی نے آکر کہا
"بائی جی! آج برس برس کا تیوہار ہے۔ یہاں سے ایک مندر پر بڑا
میلہ لگتا ہے۔ اگر مزاج میں آوے تو چلو۔ ذرا تفریح ہو جائیگی۔" سندر
بائی نے منظور کر لیا۔ اور اسی وقت سے میلہ جانے کی تیاری شروع
ہوئی اور نو بجے دن کے قریب بڑے تزک و احتشام سے رانی کی سواری
نکلی اور وہ اپنی ساتھیوں کو ساتھ لیکر مندر کی طرف روانہ ہوئی۔ مندر
میں رانی کی پوجا کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا تاکہ جس وقت وہ وہاں
داخل ہو اور کوئی آدمی نہ جانے پاوے۔

بیر سنگھ دل کا نیک اور طبیعت کا اچھا تھا۔ جب اس نے سُنا کہ سندر بائی
مندر کو جا رہی ہے وہ خود اپنے ساتھیوں کے ساتھ میلہ دیکھنے کی غرض
سے گیا اور اس کو یہ بھی منظور تھا کہ مندر میں سندر بائی سے ملے۔ اور
تو کسی کو خاص وقت تک کے لئے جانے کا حکم نہیں تھا مگر بیر سنگھ
کو کون روک سکتا تھا۔ وہ بلا تکلف اس جگہ چلا گیا جہاں دیوی کی
بیٹھی ہوئی پوجا کر رہی تھی۔ جب بیر سنگھ قریب پہنچا۔ اس نے
یہ لفظ پرارتھنا میں اپنی استری کی زبان سے سُنے "پرماتمن! تو میرے

پتی کو سب پرکار کا سکھ دے"! اتنے میں بیر سنگھ وہاں جا پہنچا سندر بائی نے آہٹ پاکر سر اٹھایا۔ دونوں کی آنکھیں ملیں۔ بیر سنگھ نے اس وقت طنز کے لہجہ میں کہا "کیوں۔ اب تک پتی کو بل پراکرم سے نہیں جیتا؟ باغ کی بات یاد ہے کہ نہیں"؟ شوہر کی بات سنکر سندر بائی نے سمجھا۔ بیر سنگھ نے اُس کی باغ کی تقریر کو سن لیا ہے۔ اس لئے محل میں نہیں آتا۔ اس غریب نے ہاتھ باندھکر کہا "سوامی ناتھ استریاں ہوا کرتی ہیں لڑکپن کی باتیں ایسے ہی ہوا کرتی ہیں۔ آپ سمجھدار ہو۔ مجھ کیا سکھا دے سکتے ہو؟" بیر سنگھ بولا "نہیں جب تک تم اپنی بات کو سچ نہ کرو۔ تب تک بیر سنگھ تمہارے پاس نہ آویگا" یہ کہکر وہ تو چلا گیا۔ اندر سندر بائی تصویر حیرت بن گئی۔ سکھیوں میں سے کسی نے بیر سنگھ کی تقریر نہیں سمجھی سندر بائی نے ان کو کچھ کہنا ضروری سمجھا۔ اس نے سوچا پتی نے سندر میں ایسی پرتگیا کی ہے۔ اس لئے اب اور کسی طرح وہ قابو میں نہیں آویگا +

وہ پوجا کر کے محل کو واپس آ گئی کئی دن متواتر سوچتی رہی کہ کس طرح پتی کے دل پر نقش کر دے کہ وہ بل پراکرم میں اس سے کم نہیں ہے مگر کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی بیکسی کی حالت میں رہنا کسی طرح منظور نہیں تھا۔ آخر سوچ سمجھ کر اس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ محل سے باہر رہ کر موقعہ کا انتظار کرنا چاہیئے۔ پرماتما کبھی نہ کبھی آپ ایسا موقعہ دیگے کہ وہ اپنی بزرگی کو ثابت کر سکے گی +

مندر سے واپس آنے کے پانچویں دن بعد اُس نے اپنے باپ کو خط لکھا اور ہاتھ کی وہ انگوٹھی جو کیسری سنگھ نے شادی کے دن دی

ٹھی نکال کر اور اُسے اپنی داسی کو دیکر کہا "سکھی! تو یہ انگوٹھی میرے باپ کو جاکر دیدے۔ اور اُن سے زبانی عرض کر دے کہ یہ خراب ہوگئی ہے اس کو کھولکر پھر بنوادو اور میرے پاس بھیجدو"۔

جس وقت کیسری سنگھ کو یہ انگوٹھی ملی۔ وہ سمجھ گیا۔ لڑکی پر کوئی مصیبت آئی ہے۔ اُس نے داسی کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ آپ علیحدہ جاکر انگوٹھی کے نگینے کو کھولا۔ اس کے اندر ایک چھٹی لکھی ہوئی رکھی تھی۔ راجہ نے خط کو پڑھا۔ اُس کا مضمون یہ تھا۔

پتاجی۔ اگر مینا طوطا بولتے نہ ہوتے تو وہ کبھی پنجرے میں نہ رکھے جاتے۔ میں نے ایک دن باغ میں سکھیوں سے کہا تھا۔ اگر بیر سنگھ کی میرے ساتھ شادی ہوئی۔ تو میں اپنا بل اور پراکرم دکھا کر ان کو موہت رکھونگی۔ راجکمار باغ میں آئے ہوئے تھے۔ میری بات سن لی۔ اور اب اس کا امتحان منظور ہے۔ اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ کہ میں دکھی ہوں آپ میرے لئے ایک اچھا زرہ بکتر اور ایک تیز رفتار گھوڑا اس طریقے سے بھیج دیجئے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اس کے بعد میں جو کچھ کرنا ہوگا۔ کرونگی۔ ساری بات ایشور کی دیا پر نربھر ہے*

آپ کی دُکھی پتری
سندر بائی"

خط کو پڑھکر کیسری سنگھ فکر میں محو ہو گیا۔ گھوڑا اور زرہ دونوں بھیجے جا سکتے ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" آخر دیر تک سوچنے کے بعد اُس نے دبھی پور کی ایک پہاڑی سے سندر بائی کے محل تک سرنگ کھدوانا شروع کیا۔ اس میں اس کا بیشمار روپیہ خرچ ہوگیا

مگر لڑکی کی عزت قائم رکھنے کے خیال سے اس نے ذرا بھی پس و پیش نہیں کیا +

جب سندر بائی کے پاس گھوڑا معہ ساز و سامان کے پہنچا۔ وہ اپنے باپ کی دانائی دیکھ کر دل میں خوش ہوئی۔ اپنی داسی کو پاس بٹھا کر بیر سنگھ کے سلوک کا قصہ کہہ سنایا اور اُس کو ضروری ہدایت کرتا کید کی کہ کسی پر میرے چلے جانے کا راز ظاہر نہ ہونے پاوے۔ بیر سنگھ کی بے پرواہی دیکھکر کوئی مجھ پر ملتفت نہیں ہے۔ اس لئے اگر تمیز سے کام لیا گیا تو کسی کو میرے جانے کی متعلق خبر نہ ہوگی "

یہ کہکر اُس نے مردانی پوشاک پہن لی اور گھوڑے پر سوار ہو کر سرنگ کی راہ سے باہر نکلی +

دوسرے دن ٹلیھی پور کے دربار میں ایک حسین اور دلیر نوجوان راجپوت ملازمت کی خواہش میں حاضر ہوا اور خوش سلیقگی کے ساتھ راجہ کو نذر گزرانی۔ سب لوگ اس کے وضع قطع کو دیکھکر خوش ہوئے راجہ نے حیرت سے پوچھا "تیرا نام کیا ہے اور کس کا لڑکا ہے"۔ اس نے جواب دیا "میرا نام رتن سنگھ ہے۔ میں ایک راجہ کی اولاد ہوں کسی وجہ سے گھر سے ناراض ہو کر یہاں آیا ہوں۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ باپ یا دیس کا نام نہ بتاؤنگا اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ آپ کو تجربہ سے معلوم ہو جائیگا میں بڑے کام کا آدمی ہوں۔ جو کام کسی سے نہ ہوگا میں کر دکھاؤنگا خاص کر دشمنوں کے مقابلہ میں آپ رتن سنگھ کو اپنے سرداروں میں سب سے پہلے دیکھینگے۔ راجہ نے راجپوت کے بانکپن اور اُسکی بیباکی کی تقریر کو پسند کیا۔ اسکو دربار میں منصب عہدہ عطا کیا گیا اور حکم دیا کہ کبھی وہ سلام کیلئے دربار میں آیا کرے رتن سنگھ

نے سلام کیا۔

بیر سنگھ نے جس وقت سے اس شخص کو دیکھا۔ دل میں اُس کے لئے محبت پیدا ہوئی۔ چونکہ رتن سنگھ نے اپنے کو راجکمار بتایا تھا۔ راجہ نے اس کو ولی عہد کے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ یہ دونوں اُسی دن سے سچے دوست بنگئے اور بیر سنگھ نے اپنی کوٹھی کے نزدیک ایک بنگلہ اسکے رہنے کے لئے خالی کر دیا۔

رتن سنگھ سچ مچ شانت سوبھاؤ۔ دلیر اور جانباز تھا۔ اسکے مزاج میں ایک بہت بڑا وصف یہ تھا کہ اس کو غصہ نہیں آتا تھا۔ جب دونوں راجکمار شکار میں جاتے اس کا گھوڑا ہمیشہ سب سے آگے رہا کرتا تھا اور اس کی دلیری اور پھرتیلے پن کو دیکھکر سب عش عش کرتے تھے۔ یہ رتن سنگھ کوئی اور شخص نہیں تھا۔ جو خود سندر بائی اس کی اپنی استری تھی۔ مگر اس نے ایسا بھیس بدل رکھا تھا کہ بیر سنگھ کو ذرا بھی دل میں شک نہیں گذرا۔ اور وہ اس حد تک اس کی محبت کا دم بھرنے لگا کہ دونوں دوست ایک دم کے لئے بھی علیحدہ نہیں ہوتے تھے۔ جب بیر سنگھ رتن سنگھ کو اپنی رانی سندر بائی کے بد دماغی اور بدمزاجی کا حال سناتا رتن سنگھ ہنس کر کہا کرتا۔ "تم نے سُندر بائی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا"۔ وہ کہتا "میں سندر بائی کو دل سے چاہتا ہوں اور اسکے سوا کسی سے شادی نہ کرونگا۔ مگر اس بات کا انتظار کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کس طرح مجھ پر اپنی فضیلت ظاہر کرتی ہے اگر وہ راجپوتنی ہے تو اپنی بات کو سچ کر دکھائیگی۔ میں کچھ اُس کا بدخواہ تو نہیں ہوں"۔ رتن سنگھ قہقہہ مار کر ہنس دیتا تھا۔

اس طرح اُن کے دن ہنسی خوشی سے گذرتے چلے جاتے تھے۔ ایسا اتفاق ہوا کہ کسی زبردست شیر نے ماجھی پور کے قریب ماند بنالی اور روز

دو ایک آدمیوں کا خون کرنے لگا۔ بڑے بڑے جودھا اس کی تاک میں رہتے تھے۔ مگر شیر کسی کے بس میں نہیں آتا تھا جب راجہ کی رعیت زیادہ پریشان ہونے لگی اس نے ایک دن رتن سنگھ کی طرف نگاہ کی اس نے اظہار آداب بجالانے کے بعد عرض کیا میں خدمت کے لئے راضی ہوں لیکن مجھ میں ایک عیب ہے جس کا میں نے حضور سے ذکر نہیں کیا تھا میں ہمیشہ اپنی تلوار پر ناز کرتا ہوں ساتھ ہی تدبیر سے بھی کام لیتا ہوں۔ آپ کسی کاریگر کو حکم دیں وہ ایک قد آدم کی آہنی تصویر بنا دے میں اس کو ضروری ہدایت دونگا۔ اور اس کی مدد سے شیر کو آناً فاناً میں ہلاک کر دونگا۔ راجہ نے ایسا ہی کیا۔ لوہے کا ایک کھوکھلا بت تیار کیا گیا جس کے ہاتھ پاؤں اور جسم کے تمام حصوں میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ رتن سنگھ اس آہنی بت کو شہر سے باہر لایا جہاں شیر آدمیوں کو تباہ کیا کرتا تھا خود اسکے اندر موقعہ کا منتظر بن کر بیٹھ رہا +

رات کے وقت شکار کی تاک میں شیر ماندے سے باہر نکلا۔ رتن سنگھ نے اس کی آہٹ پاکر للکارا۔ شیر پیٹ کے بل آدمی کے بت پر گرا رتن سنگھ اسی وقت باہر نکلا تلوار سے حملہ آور ہوا اور دم کے دم میں اس کا کام تمام کر دیا جس وقت شیر مارا گیا تھا۔ ابھی بہت بہت رات باقی تھی۔ رتن سنگھ شیر کو اٹھا کر اپنے بنگلہ پر لایا۔ اور گھاٹ کے نیچے ڈال کر بےخبری کی نیند سو رہا +

بیر سنگھ کو خیال تھا اس کا دوست شیر کے ہاتھ سے جانبر نہ ہوگا یہی خیال دوسرے آدمیوں کو بھی تھا۔ صبح سنتے ہی وہ خود بنگلہ پر آیا آدمیوں سے کہا سردار ابھی سو رہے ہیں۔ بیر سنگھ نے ٹیکا سے

کا حکم دیا۔ رتن سنگھ گھبراہٹ میں اُٹھ بیٹھا اور بیر سنگھ کو دیکھ کر ڈرا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس کے بھیس بدل لینے کا راز فاش ہو جائے۔ اس لئے اس سے ملنے کے پہلے وہ دوسرے کمرہ میں چلا گیا۔ اور نہا دھو کر دوست سے ملا جب راجکمار نے شیر کو کھاٹ کے نیچے دیکھا۔

سخت حیرت سے رتن سنگھ کی طرف نگاہ کیا۔ ابھی وہ بات چیت کر رہے تھے۔ کہ راجہ کا آدمی بلانے آیا۔ رتن سنگھ نے شیر کی لاش اپنے آدمیوں کے حوالہ کی وہ اُس کو دربار میں لے گئے۔ شیر جسامت اور وزن کے لحاظ سے عجیب قسم کا تھا۔ راجہ نے خوشی سے اپنی انگوٹھی نکال کر رتن سنگھ کو دی اور اس کی ہمت و جوانمردی کی تعریف کی +

جس دن سے شیر مارا گیا تھا۔ رتن سنگھ خاص طور پر بلبھی پور کے خاص و عام میں ہر دلعزیز بن گیا تھا۔ راجہ اُس پر تمام اہلکاروں سے زیادہ عنایت کرتا تھا۔ اور اس شخص کا اخلاق اس قسم کا تھا۔ کہ کسی کو بھی اس کے ساتھ رنجش یا عداوت نہیں تھی۔ ابھی اس کو آئے ہوئے کئی مہینہ بھی نہ گزرے تھے کہ بلبھی پور کے راجہ نے اس کو جاگیر اور خلعت دی اور معتمد بنا لیا بیر سنگھ پہلے سے زیادہ اس کو پیار کرنے لگا۔

بلبھی پور کا راجہ ایک مرتبہ شکار کے ارادہ سے جنگل کی طرف روانہ ہوا رتن سنگھ اُس کے ساتھ تھا۔ چونکہ راجہ کی طبیعت زیادہ شکار پسند تھی اور ملک میں ہر طرح سے امن و امان تھا اس لئے ضرورت سے زیادہ اُس نے اپنا وقت تفریح میں صرف کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک موقعہ میں ہمسایہ راجہ نے جاسوسوں سے خبر پا کر اس کی عدم موجودگی میں شہر پر حملہ کر دیا۔ بیر سنگھ بیمار تھا شکار میں نہیں جا سکا تھا۔ یہ دشمنوں کے

ہاتھ گرفتار ہؤا۔ دشمن نے کچھ اس طرح جھٹ پٹ بلبھی پور پر تسلط پا لیا کہ عقل کو حیرانگی ہوتی ہے سب جگہ موقع پر اس کی پہرے بیٹھ گئے۔

جب راجہ کو خبر ملی وہ سخت پریشان ہُوا۔ رتن سنگھ سے کہنے لگا۔ "بیر سنگھ تو بیمار تھا۔ اگر اُس کو کچھ آنچ آئی تو پھر میرا جیتا رہنا مشکل ہے اگر وہ مجھ کو مِل جائے تو راج کا لے لینا اتنا مشکل نہ ہوگا" رتن سنگھ نے جواب دیا "مہاراج بیر سنگھ میرا دلی دوست ہے۔ میری جان اس پر ہر وقت نثار ہونے کے لئے تیار ہے۔ میں کوشش کرونگا۔ اس کو ضرر نہ پہنچے اور اگر کہیں دشمنوں نے اس کو نقصان پہنچایا تو رتن سنگھ بھی آگ میں جل کر دوست کا ساتھ دیگا۔ آپ خاطر جمع رکھیں۔ میں نے اپنے خاص آدمیوں کو بھیج کر دریافت کر لیا وہ قلعہ میں گرفتار ہے دشمنوں نے اب تک آپ کے محل میں تصرف نہیں کیا۔ اور اگر ایشور نے چاہا تو میں جلد ہی اُن کو اس جرأت کا مزا چکھاؤنگا"

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک اور جاسوس نے آکر خبر دی "مہاراج! بیر سنگھ نے موقعہ پا کر قلعہ میں کئی آدمیوں کو ہلاک کیا۔ اب اس کو پا زنجیر کر کے ایک کٹھڑی میں جانور کی طرح بند کیا گیا ہے" یہ سنتے ہی رتن سنگھ کی آنکھیں غصہ سے لال ہو گئیں اُس نے راجہ سے کہا "اسی وقت چڑھائی کا حکم دیجئے۔ ہم دشمن کو ہلاک کر دینگے" راجہ بولا "بیٹے! آدمی کہاں ہیں کیسے تو چڑھائی کریگا" رتن سنگھ نے کہا "آپ مجھ پر اعتبار کیجئے۔ بیلا گاؤں کی طرف سے چلئے۔ ہم کیسری سنگھ سے مدد لینگے۔ اور آپ دیکھینگے۔ کہ رتن سنگھ واقعی کس طرح جان دینا جانتا ہے"

کہنے کی دیر تھی راجہ اپنے آدمی لیکر بیلا کی طرف چلا۔ سب سے پہلے رتن سنگھ کا دم باز گھوڑا سرپٹ کی چال چلتا ہؤا نظر آیا۔ اور آدمی پیچھے تھے۔

یہ ہاتھ میں بھالا لئے ہوئے کیسری سنگھ کے قلعہ میں پہنچا اور کہنے لگا۔ راجن! زرہ پوش سوار انگوٹھی کے خط کا حوالہ دے کر آپ سے درخواست کرتا ہے کہ چھپتے ہوئے راجپوتوں کا جتھا ساتھ لیکر میرے ساتھ چلئے۔ کیسری سنگھ کو اتنا موقع نہیں دیا گیا کہ وہ زیادہ گفتگو کرتا۔ اسی وقت اُس نے اپنے آدمیوں کو مسلح ہونے کا حکم دیا۔ اور منتخب راجپوت اس شہسوار کے پیچھے پیچھے وہاں پہنچے۔ جہاں سمندر بائی کے واسطے سرنگ کھودی گئی تھی۔ رتن سنگھ نے بلیجی پور کے راجہ سے مختصراً سب حال کہا۔ آپ کی بہتری اب صرف اسی بات میں ہے کہ مجھ پر اعتبار کریں۔ یہ سرنگ آپ کے قلعہ میں گئی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے جس سے آپ اپنے محل میں پہنچ سکیں۔ وہاں پہنچکر دشمنوں کو مغلوب کر لینا صرف گھنٹوں کا کام ہوگا!

راجہ حیران۔ یہ عجیب قسم کا آدمی ہے۔ مجھ کو تو سرنگ کا بالکل پتہ نہیں۔ یہ کیسے جانتا ہے۔ رتن سنگھ اس کا معتمد علیہ بن چکا تھا۔ اس سے بلا زیادہ بحث و مباحثہ کے وہ سب سرنگ کی راہ سے قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ سُرنگ کا راستہ خاص سمندر بائی کے محل کی طرف سے تھا۔ جب یہ سب وہاں پہنچ گئے۔ رتن سنگھ نے سب کا شمار کر لیا۔ پھر ان کو چار حصوں میں تقسیم کر کے پچاس پچاس سپاہی پر سے راجہ کیسری سنگھ اور سیناپتی کی ماتحتی میں دیئے۔ اس کے اپنے حصہ میں صرف پچیس آدمی آئے۔ اس نے کھڑے ہو کر سب کو ہدایت کی کہ کس طرح کہاں کہاں اور کس موقعہ سے دشمنوں کو مغلوب کرنا چاہیئے۔ جب یہ چاروں طرف کو روانہ ہوئے۔ یہ خود اپنے آدمی لے کر وہاں آیا جہاں بیر سنگھ مقیم تھا۔

دشمن غافل تھے۔ تمام شہر میں تسلط ہو گیا تھا۔ قلعہ کی دیواروں پر اچھی طرح پہرہ کا انتظام تھا۔ مگر وہ کیا جانتے تھے۔ پاؤں کے تلے کی زمین سے دشمن برآمد ہونگے۔ رتن سنگھ کے آدمیوں نے پہنچتے ہی قیدیوں کو بلا کم وبیش تہ تیغ کیا۔ جب سب مارے گئے رتن سنگھ اس جگہ پہنچا جہاں زنجیروں میں جکڑا ہوا بیر سنگھ پڑا تھا۔ اس نے بیڑیاں کاٹ دیں اور بیر سنگھ کو چھڑا دیا۔ یہ دونوں مترا اس وقت جس محبت سے ملے۔ اس کا بیان مشکل ہے۔ زیادہ گفتگو کا موقعہ کہاں تھا۔ رتن سنگھ نے کہا "تمہارے باپ پورب کی طرف لڑ رہے ہیں۔ یہ میرا گھوڑا لے لو۔ ابھی ان کی مدد کو جاؤ۔ میں پھر تم سے ملونگا" بیر سنگھ گھوڑے کی پیٹھ پر کود گیا۔ دوسرے لمحہ میں وہ باپ کے پاس آیا۔ راجہ نے یہاں دشمنوں کی حالت تباہ کر دی تھی۔ یا تو وہ مارے گئے۔ یا قید کر لئے گئے تھے۔ یہی کیفیت اور جگہ کی بھی ہوئی۔

تھوڑی دیر میں تمام قلعہ راجہ کے قبضہ میں آگیا۔ جب راجہ نے بیر سنگھ کو دیکھ کر کہا اور تم اب تک کہاں تھے۔ کیسے آگئے؟ وہ کہنے لگا۔ میں تھکا ماندہ ہوں۔ اتنی طاقت نہیں ہے کہ سارا حال بیان کروں۔ رتن سنگھ جب آویگا۔ تب اس کے سامنے سارا حال کہہ سناؤنگا۔ یہ آپ سمجھ لیجئے اس نے میری جان بچائی ہے۔ دشمنوں نے مجھ کو اس طرح باندھ رکھا تھا۔ کہ میں مشکل سے دو چار گھنٹے اور زندہ رہ سکتا تھا۔ راجہ بولا "رتن سنگھ عجیب طرح کا آدمی ہے۔ اس نے ایک دفعہ میری پرداخت کی۔ دوسری دفعہ راجکماری کی جان بچائی۔ اور راج واپس دلایا۔

جب یہ باتیں ہو رہی تھیں رتن سنگھ سامنے قلعہ میں اپنا چوکی پہرہ

بٹھا کر وہاں آ پہنچا۔ راجہ اس کو دیکھ کر شکریہ ادا کرنے لگا اور چاہا کہ اس
سے بغلگیر ہو۔ رتن سنگھ دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اور کہنے لگا مہاراج
میں آپ اور راجکمار کا داس ہوں۔ اتنی ہی قدردانی کیا کم ہے۔ کہ آپ
مجھ کو اچھا آدمی سمجھتے ہو۔ میں تو آپ کا ایک معمولی سپاہی ہوں
میں نے عرض کیا تھا۔ لڑائی کی وجہ سے میں نے اپنا گھر چھوڑ رکھا
تھا۔ اب میرے اچھے دن پھرے ہیں۔ گھر سے پیغام آیا ہے۔
تم فوراً چلے آؤ۔ اس لئے اب آپ رخصت دیجئے اتنی ہی آپ سے
پرارتھنا ہے۔ راجہ بولا۔ میں ایک دم بھی تجھ کو اپنی آنکھوں سے جدا
نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تیرے ماں باپ دھنیہ ہیں جنہوں نے ایسا
ویر پتر پیدا کیا۔ بیرسنگھ گرمجوشی سے کہنے لگا۔ ہماری دوستی اٹل
رہے گی تم نے میری جان بچائی ہے۔ آج سے یہ جان تمہاری ہی کہلائے گی
میں نے آج تک اتنا سچا دوست نہیں دیکھا۔ لو یہ کٹار میں اپنی دوستی کے
لحاظ سے تم کو دیتا ہوں۔ یہ بطور یادگار اپنے پاس رکھو اور جب تم پر کوئی مصیبت آئے
میں ہمیشہ ہر وقت تمہارے کام کیلئے حاضر ہونگا۔

رتن سنگھ نے کٹار ہاتھ میں لے لی۔ اور سر جھکا کر کہا۔ آپ صاحبوں کی
اچھیا پوری ہوئی۔

وہ دن بات چیت میں اسی طرح صرف ہوا اور رتن سنگھ نے آس پاس کے
زمینداروں کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے اپنے آدمی لیکر راجہ کی مدد پر آ جاؤ
اس پیش بندی کی وجہ یہ تھی کہ قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔ مگر دشمن شہر پر متسلط تھے
دوسرے دن امید کے مطابق دشمنوں نے پھر قلعہ پر حملہ کیا۔ راجہ
نے اس دن رتن سنگھ کو سینا پتی مقرر کیا۔ اب سینا پر چار کے سر پر تھے

رتن سنگھ، بلبھی پور کا راجہ کیسری سنگھ اور بیر سنگھ

جب یہ سب ساتھ بیٹھے تھے۔ راجہ نے کہا "میرے پاس فوج پھر بھی بہت کم ہے۔ شہر والوں سے بالکل اس وقت امید نہیں کی جا سکتی" رتن سنگھ نے ہنس کر جواب دیا "مہاراج! یہ خوشی کی بات ہے کہ شہر دشمنوں کے ہاتھ میں ہے۔ وہ خود ان کو کمزور کر رہا ہے۔ آپ ذرا نہ گھبرائیں۔ مجھ کو ایشور نے آپ کی مدد کے لئے بھیجا ہے۔ دیکھئے میں کس طرح ان حملہ کرنے والوں کی خبر لیتا ہوں"

دشمنوں نے قلعہ پر حملہ کیا۔ اُن کے پاس جماعت زیادہ تھی اس طرف کم آدمی تھے دشمن کے جاسوسوں کو راجہ کی فوج کی تعداد کی پوری پوری خبر تھی۔ وہ جانتے تھے۔ آخر میں قلعہ فتح ہو جائے گا اس وجہ سے ان کی ہمت کو ذرا بھی لغزش نہیں ہوتی تھی۔ وہ قلعہ پر چڑھ دوڑے رتن سنگھ کو مجبور ہو کر لڑنے سے عار تھا۔ اس نے مہاراجہ سے کہا "یہ موت و زندگی کا وقت ہے۔ آپ باہر چل کر دشمنوں کا مقابلہ کیجئے" مگر راجہ نے کہا "نہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ رتن سنگھ نے کہا "جیسا آپ کا حکم! مجھ کو ذرا بھی اعتراض نہیں مجھ میں شاید سیناپتی ہونے کی لیاقت نہیں ہے اسلئے آپ نے میری رائے کو پسند نہیں کیا" راجہ دل میں شرمندہ ہوا آخر اس کے حکم سے قلعہ کا دروازہ کھول دیا گیا۔ بہادر راجپوت لڑنے کے لئے باہر نکلے۔ لوہے سے لوہا بجنے لگا۔ وہ مار دھاڑ مچی کہ جس کا حساب نہیں دونوں طرف کشتری تھے۔ ہر دو فریق کو میدان چھوڑنے سے گریز تھا۔ مگر بلبھی پور کے راجہ کے پاس فوج کم تھی ساتھیوں کے آدمی بہت مارے گئے۔ قریب تھا کہ دشمن اس کو بالکل مغلوب کر لیتے۔ اتنے میں پیچھے کی طرف سے کثیر التعداد سواروں کی

آکر حملہ آوروں کی خبر لینے لگی۔ جب دونوں طرف سے کشت و خون ہونے لگا۔ وہ گھبرا اٹھے اور تیسری طرف سے بھاگ نکلے اور فتح بھی بیر کے ہاتھ رہی۔ رتن سنگھ نے راجہ کی رکاب چوم کر مبارکباد دی اور بتایا کہ جو جماعت پیچھے سے مدد کے لئے آئی تھی وہ آپ کے علاقوں کے رئیس تھے۔ میں نے کل شام کو ان کو یہاں آنے کے لئے کہلا بھیجا تھا۔ [illegible] ہونے کے قابل نہیں ہوں اس لئے معافی چاہتا ہوں۔ اب آپ ان مہمانوں کی خاطرداری کا انتظام کیجئے تاکہ میں خوش ہوں۔ اب دشمن کبھی آپ کے مقابلہ کی ہمت نہ کرینگے۔"

یہ کہکر جواب کا انتظار کئے بغیر رتن سنگھ قلعہ کی طرف چلا آیا۔ اور لوگوں کے دیکھتے دیکھتے غائب ہو گیا۔ راجہ نے بیر سنگھ سے کہا۔ یہ رتن سنگھ خبر نہیں کون شخص ہے جس نے اس طرح پر ہماری رکشا کی۔ اس نے دشمن کے ارادہ کا حال پہلے سے دریافت کر لیا۔ یہ سخت تعجب ہے۔ بیر سنگھ بھی حیرت میں تھا۔ اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔ +

جب ہر طرح سے دشمنوں کا کھٹکا جاتا رہا۔ رتن سنگھ کی تلاش ہوئی مگر وہ نہیں ملا۔ بنگلہ کی طرف آدمی بھیجے گئے۔ وہاں بھی پتہ نہیں تھا۔ چند آدمیوں نے کہا ہم نے اس کو سندر بائی کے محل کی طرف جاتے دیکھا ہے +

انسان کے دل کا کبھی اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ جب بیر سنگھ نے سنا کہ وہ سندر بائی کے محل کی طرف چلا گیا۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیال پیدا ہونے لگے۔ اس نے سمجھا۔ کون جانے سندر بائی وہم سے گر گئی ہو۔ اور یہ وجہ رتن سنگھ کے مرتبہ سے واقف ہونے کی ہو گی۔ اسی وقت اس کے دل میں رقابت اور حسد کی آگ پیدا ہوئی۔ ننگی تلوار لئے ہوئے

غصے سے تھر تھر کانپتا ہوا محل میں آیا۔ سندر بائی تعظیم کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ویر سنگھ نے کہا "دوست پاپنی! رتن کہاں گیا؟" سندر بائی نے عاجزانہ لہجہ میں کہا "پران پتی! آپ کس رتن کا ذکر پوچھتے ہو؟"

ویر سنگھ: "وہ رتن جو میرا دشمن دوست تھا جس نے دشمنوں کی راہ سے آکر میری جان بچائی تھی۔ اس کا فوراً پتہ بتا دے۔ یہ تلوار ابھی اس کا سر دھڑ سے الگ کرے گی"

سندر بائی: "سوامی ناتھ! جس نے آپ کی جان بچائی تھی۔ اس کا یہی انعام ہونا چاہیئے؟"

ویر سنگھ: "راکشسنی استری! فضول بات چیت نہ کر جھٹ پٹ بتا دے اس کو کہاں چھپا رکھا ہے؟"

سندر بائی: "یہ آپ کہتے کیا ہیں۔ کیا سندر بائی کو آپ نے ایسی گئی گذری سمجھ لیا ہے؟"

ویر سنگھ: "او ادھرمی! تو بحث بہت کرنا جانتی ہے۔ میں نے سن رکھا تھا۔ تو نے ترک شاستر پڑھا ہوا ہے۔ ابھی ترک شاستر نے تیرا ستیاناس لگا دیا۔ اگر جلدی نہیں بتاتی تو تجھ ہی کو اس کٹار سے ذبح کر دونگا"

ویر سنگھ نے غصہ کے بس میں آکر کٹار نکالی۔ سندر بائی نے کہا "یہ سر تو آپ ہی کا ہے جس وقت چاہیئے اتار کر رکھ دیجئے۔ لیکن اس کٹار سے مجھ کو نہ ماریئے۔ میں ایک اور کٹار آپ کو دیتی ہوں اُس سے مجھ کو ذبح کیجئے۔ آپ کے ہاتھ سے مرنے میں مجھ کو سکھ ملیگا مگر پہلے خوب سوچ سمجھ لیجئے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ اور غور سے دیکھ لیجئے۔ کیا میری صورت میں کہیں آپ کے دوست کا حلیہ

لیتا ہے یا نہیں ؟"

رانی نے کٹار بیر سنگھ کے حوالہ کیا۔ اُس نے سندر بائی کو غور سے دیکھا باغ اور سندر کی گفتگو یاد آئی۔ اس کی زبان سے یہ لفظ برآمد ہوئے "سچی ستی! پتر دیوی! میں نے مہا اپرادھ کیا" اور یہ کہہ کر وہ بیدم ہو کر زمین پر گر پڑا اور بیہوش ہو گیا۔ سندر بائی نے خاوند کو اٹھا کر پلنگ پر لٹا دیا منہ پر گلاب کی چھینٹیں دی گئیں۔ دیر کے بعد سونے والے کی آنکھ کھلی۔ وہ حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا "سندر! تو کہاں ہے ؟

سندر بائی بولی "مہاراج! آپ کے پاس بیٹھی ہوں"

بیر سنگھ "پیاری کیا تو میرے اپرادھ کو چھما کرے گی ؟"

سندر بائی "مہاراج! آپ نے کچھ نہیں کیا۔ آپ میرے پتی ہو میرے مالک اور میرے پران ناتھ ہو۔ آپ نے دیا کی جس میں میری بات رہ گئی"۔

بیر سنگھ کمزور ہو گیا تھا وہ اُٹھا اور ستی کے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھا کر اُس سے لپٹنا چاہا۔ سندر بائی نے کہا "مہاراج! مجھ کو پاپی نہ بناؤ" پھر دونو بغلگیر ہوئے۔ اور بیر سنگھ سچ مچ اس دن سے اس کا داس بن گیا۔

جب راجہ نے سُنا کہ اس کے بیٹے کی جان بچانے والی خود اس کی پُتر بہو ہے۔ اُس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ وہ خود سُندر کے محل میں آ کر کہنے لگا "بیٹی تو دھنیہ ہے۔ تو بھی راجپوتنی ہے۔ کیا تو اپنے آپ کو وہ قصہ سنائیگی جس کی وجہ سے تو نے بھیس بنایا تھا" سندر بائی نے جواب دیا "کیوں نہیں؟ مہاراج کا حکم سر آنکھوں پر آج شام کو جب

ہماری داتا جی اور دوسرے لوگ آویں گے۔ میں سب کے سامنے پورا قصہ کہہ سناؤنگی"۔

شام کا وقت آیا۔ بیر سنگھ کی ماں اور دوسری رانیاں کیسری سنگھ و بلبھی پور کا راجہ سب اکٹھا ہوئے اور تب اُن کے روبرو سندر بائی نے اپنا حال شروع سے آخر تک کہہ سنایا۔ کیسری سنگھ نے انگوٹھی سے خط نکالنے اور شرنگ بنوانے اور زرہ پوش سوار کے حکم سے مدد کرنے پرچھیوں کے متعلق تائید کی۔ بوڑھا راجہ اپنی خوشی کو ضبط نہ کرسکا۔ اُس نے سب کے دیکھتے ہوئے محبت کے جذبہ میں سندر بائی کے سر کو بوسہ دیا۔ اور کہنے لگا۔ "دھنیہ ہے پتری! تیرے ماں باپ! تو سچ مچ دیوی ہے بلبھی پور کا گھرانا مبارک ہے۔ جس میں تیرا بیاہ ہوا ہے"۔ اُس دن سے سندر بائی کا نام سندر دیوی پڑ گیا۔

اس واقعہ کے سوڈیڑھ سو برس بعد کے زمانہ تک جب راجپوتنہ جاڑے کے دنوں میں شام کے وقت آگ سینکنے کے لئے بیٹھتے۔ بیر سنگھ اور سندر دیوی کا قصہ ان کی زبان پر ہوتا۔ عورت اور مرد دونوں سے پراکرم پتی ورت بھاؤ سچائی اور دانائی کا سبق سیکھتے۔

اب نہ وہ بلبھی پور رہا نہ کہنے سننے والے ہی رہے۔ کتنے دنوں کے بعد اس کتاب کے صفحوں میں پڑھنے والوں کو سندر بائی کا پتہ لگ سکیگا۔

اب نہ وہ دن ہیں۔ اور نہ وہ راتیں
رہ گئیں یادگار وہ باتیں

ایشور کرے مرد و عورت اس تاریخی روایت کو پڑھیں ان کا دل پوتر ہو اور وہ دھرم کے سکھ کو پراپت کریں ✤

۴- دُرگا-

(۱) پتی ورتا کے ساتھ میں سدھی شکتی اپار
پتی ورتا کے تیج کو۔ کوئی نہ سکے سہار

(۲) پتی ورتا کے تیج کا۔ کیا کوئی کرے بکھان
کہنے میں آوے نہیں۔ دیکھے ہی پرمان

(۳) گھٹ میں اوگھٹ پائیا۔ اوگھٹ ماہیں گھاٹ
کہے کبیر پرچے بھیا۔ دیکھی پتی کی باٹ

(۴) سورج نہیں چندرا نہیں۔ نہیں اگنی آکاش
وہ کچھ اوگھٹ وستو ہے۔ جائیں پریم پرکاش

(۵) ستی چتا پر بیٹھ کر۔ انگ انگ جر جائے
کبیر گیا کتھی گیا تھی۔ اب کچھ کہا نہ جائے

دُرگا بُوندی کے راجہ اجیت سنگھ کی دھرم پتنی اور جے پور کے راجہ کی لڑکی تھی۔ خوبصورت نازک بدن۔ پاک نفس۔ عالی دماغ۔ مغرور غرضیکہ یہ رانی تمام اوصاف سے موصوف تھی۔ جب سے یہ دیوی بیاہ کر آئی۔ اجیت سنگھ کو گویا ایک قیمتی رتن مل گیا۔ رانی راجہ دونو ایک دوسرے پر عاشق تھے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا۔ ان میں کون شمع ہے کون پروانہ ہے۔ دونو پریم اور محبت کے نور کے پتلے تھے۔ اور ایک کو دوسرے کے ساتھ الفت کتنی۔ جو لوگ اس قسم کے دنیاوی پریم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ زمینی ہو یا آسمانی

دونو قسم کے پریم میں خودی نہیں رہتی۔ خودی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اور جہاں خودی نہو وہاں خواہشوں کی جڑ کٹ جاتی ہے اور جہاں خواہش کی جڑ کٹ گئی۔ وہی موکش کی حالت کہلاتی ہے۔

اس معنے میں دُرگا کو تم جیون مکت کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ اس کے سفلی جذبات پائمال ہو کر پرش کے پریم کے ارپن ہو چکے تھے۔ اس کا جیون اپنا نہیں بلکہ پرش کا تھا۔ اس کا شریر اپنا نہیں۔ بلکہ اجیت کا تھا وہ پتی کو اسی نظر سے دیکھتی تھی۔ جیسے چکور چاند کو دیکھتا ہے اس کی تمام خواہش تمام تمنائیں اور تمام آرزوئیں شوہر کی محبت کو مرکز بنا کر اسی کے اردگرد گھوم پھر کر اُسی پر فدا ہو جاتی تھیں۔

درگا پتی کو پا کر خوش تھی۔ اجیت اس دیوی کو ایک قیمتی جواہر سمجھتا تھا اور اپنی قسمت پر نازاں تھا استری پرش دونو کی زندگی آسمانی زندگی تھی۔ کہتے ہیں درگا خیرات بہت کیا کرتی تھی۔ اور بوندی کے برہمن اور غریب محتاج اس کو رات دن دعائیں دیتے رہتے تھے۔ خویش و اقارب سب اُس کی عزت کیا کرتے تھے۔ راج کاج کے کام میں اُس کا نازک ہاتھ ہر قسم کی سختیوں کو ملائم کیا کرتا تھا۔ اور چونکہ وہ کچھواہا قوم کی راجپوتنی تھی۔ پرجا اُس کو کچھواہی دیوی کہا کرتی تھی۔

دُرگا کی ایک چھوٹی بہن تھی۔ جس کی منگنی اودے پور کے راجہ امر سنگھ کے ساتھ ہو چکی تھی۔ جب چھوٹی بہن کی شادی کا وقت نزدیک آیا۔ درگا نے ہاتھ باندھ کر اپنے شوہر سے کہا "مہاراج! اگر حکم ہو تو میں کچھ دن کے لئے پیکے ہو آؤں۔ ماتا نے بلا بھیجا ہے"۔ اجیت سنکر ہنسا "جاؤ شوق سے جاؤ۔ لیکن شادی کے بعد تم خود چلی آؤ گی۔ یا مجھ کو

لانے کیلئے آنا پڑیگا؟ درگا بولی" شادی ہوئی نہیں کہ میں فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاؤنگی۔ آپ کو تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہ ہوگی۔"

درگا جے پور آئی۔ خوشی خوشی شادی کا رسم ادا کیا گیا۔ مگر ہونیوالی بات ہوکر رہتی ہے۔ جب برے دن آتے ہیں۔ انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔ رانا امر سنگھ بوندی کی عورتوں کا حسن دیکھ ایک دن راج واسیوں سے کہنے لگا" بوندی میں سب سے زیادہ حسین عورت کون ہے؟"

واسیوں نے کہا" اس کا کیا جواب دیا جائے۔ جس راجکماری کے ساتھ تمہاری شادی ہوئی ہے وہ کسی عورت سے کم حسین نہیں ہے۔" رانا نے کہا" معلوم ہوگیا۔ اس سے بھی زیادہ حسین عورتیں یہاں ہونگی۔ تم مجھ کو بتادو۔" واسیوں نے پہلے تو بہت کچھ پس وپیش کیا۔ مگر جب رانا کا اصرار حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ ایک نے ہنس کر کہا" لے لو! میں بتائے دیتی ہوں۔ مگر اس سے تم کو کیا ملیگا۔ جو اس ملک میں سب سے زیادہ خوبصورت عورت ہے۔ اس کی شادی ہوچکی ہے۔ وہ اجیت سنگھ بوندی والے کی رانی درگا ہے۔ جو تمہاری بڑی سالی ہوتی ہے۔ اس کا منہ پورنماشی کے چاند کی طرح روشن آنکھیں کنول کی طرح بڑی بڑی۔ وہ نکھ سکھ سے درست ہے۔ ہاتھ پاؤں سب سڈول ہیں۔ بوندی کیا ایسی خوبصورت عورت تو دنیا میں نہ ہوگی۔" رانا کے منہ میں پانی بھر آیا۔ جہاں شادی کا رسم ادا ہوا تھا اسکے قریب ہی بوندی کی رانی کی قنات کھچی ہوئی تھی۔ رانا نے داسیوں کو زر وزیور دیکر درخواست کی کہ کسی طرح اسکو دکھایا جاوے۔ لالچ بری بلا ہوتی ہے۔ اسکی قنات بھی بوندی والی کے قریب کھچ دی گئی اور داسی نے انگلی کے اشارے سے کہا۔ دیکھ وہ جو جڑاؤ کنگن پہنے ہوئے بیٹھی ہے یہی

تمہاری بڑی سالی ہے"۔

رانا نادان تھا۔ اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ درگا کا حسن دیکھ کر اس کی عقل جاتی رہی وہ اس کا رشتہ دار ہو چکا تھا۔ اس لئے اُس نے بلا تامل جا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ رانی کو سخت غصہ آیا۔ ایک تو چھوٹے بہنوئی کو بڑی سالیاں کبھی چھوتی نہیں۔ دوسرے اُس کا یہ طریقہ سخت معیوب اور نفرت ناک معلوم ہوا۔ درگا نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا۔ رانا کی صورت کسی ورخیال کا اظہار کر رہی تھی۔ رانی نے اسکا ہاتھ جھٹک کر کہا "کمبخت نادان! یہ تو نے کیا کیا۔ تو نہیں جانتا میں بوندی کی رانی ہوں۔ جہاں کی استریاں دوسرے مردوں کو دیکھنا تک گوارا نہیں کرتیں۔ بدذات! میں تجھ کو اس حرکت کی سزا دیئے بغیر نہ رہونگی۔ یہ کہکر اُس نے اسیوقت پاس رکھا ہُوا تپنچہ اُٹھا لیا۔ اور اس میں بارود بھرنے لگی۔ رانا کو کاٹو تو لہو نہیں بدن میں ہکا بکا۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ رانی اس قدر ناراض ہوگی رانا کی غلطی کی خبر تمام رنواس میں پھیل گئی۔ سب لوگ جانتے تھے کہ بوندی کی عورتیں عفت و عصمت کے موقع پر جان لئے بغیر چین نہیں لیتیں۔ درگا کی ماں اُسی وقت محل سے دوڑی ہوئی چلی آئی "بیٹی معاف کردے آخر یہ تیرا بہنوئی ہے۔ لڑکا ہے کم سمجھ نادان ہے۔ تیری بہن کی ابھی شادی ہوئی ہے۔ کیا تو اُس کو آج ہی رنڈاپا پہنانا چاہتی ہے۔ بیٹی میری طرف دیکھ۔ تپنچہ رکھدے اور اس کو معاف کردے"۔ یہ کہکر بچے پور کی رانی اس کے پاؤں پر گر پڑی۔

درگا بولی "ماتا! یہ شخص ضرور سزا کے قابل ہے۔ میں اب تیری بیٹی نہیں بلکہ بوندی کی ننگ و ناموس ہوں۔ اس نے تیری بیٹی کی بے عزتی نہیں کی بلکہ بوندی کی رانی کی بیعزتی کی ہے۔ میں ذاتی طور پر تو معاف کئے دیتی ہوں۔ مگر بوندی والے اس کی حرکت کو ضرور ناقابل معافی خیال

کرینگے۔ تو سارا ماجرا ہو گئی اس لئے اس کو تو میں سزا نہیں دیتی۔ جی چاہتا تھا۔ یہ یہاں ہی ڈھیر کر دیا جاتا۔ خیر! میں اپنا ہاتھ روک لیتی ہوں لیکن جس ہاتھ کو اس نے ہاتھ لگایا ہے۔ وہ کاٹ کر پھینک دونگی۔ اب وہ اس قابل نہیں رہا کہ بوندی کے پاک راجہ کی خدمت کر سکے۔ اب مجھ کو یہاں رہنا حرام ہے۔ اب میں ایک دم یہاں نہ ٹھیرونگی۔"

دُرگا باتیں کرتی جاتی تھی۔ اور اُس کے دل میں غصہ کی آگ دم بدم مشتعل ہوتی جاتی تھی۔ اُس نے اپنی سکھی سے کہا۔ کٹار اُٹھا لا۔ امر سنگھ نے میرے جس ہاتھ کو چھو لیا ہے۔ اس کو ابھی الگ کر دوں۔ سکھی سہم گئی رانی کی آنکھیں غصہ سے سُرخ انگارا بن رہی تھیں۔ جے پور کی رانی اس کی ماں ڈر گئی تھی۔ امر سنگھ کا پاؤں زمین میں گڑ گیا تھا۔ ایک شیرنی کو چھیڑ کر اُس نے ناحق اپنے سر پر آفت مول لے لی تھی۔ سکھی کو پس و پیش میں دیکھ کر اُس نے سختی سے کہا۔ "کیوں! کیا اپنی رانی کا حکم نہیں مانتی ہے؟" وہ روتی ہوئی پاؤں پر گر پڑی۔ درگا سخت غصہ میں تھی ہنس کر بولی "جا۔ ایسے موقعوں پر پریم اور کومل بھاؤ پرکٹ کرنا راجپوتنی کے لئے انوچت ہے۔ جا کٹار لے آ۔"

سکھی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ کٹار اُٹھا کر اس کے حوالے کیا۔ رانی نے اپنے ہاتھ میں کٹار لیکر بائیں ہاتھ اسی وقت کاٹ دیا۔ اور وہ زمین پر کھٹ سے گر پڑا۔ خون جاری ہوا۔ اور شخص ہوتا تو کمزوری سے بیہوش ہو گیا ہوتا۔ مگر وہ کشترانی غضب کی عورت تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہا ابھی میرا گھوڑا تیار کر دیا جائے۔ اور سکھیاں میرے ساتھ بوندی کو روانہ ہوں۔ جے پور کا دانہ پانی آج سے مجھ کو حرام ہے کیونکہ یہاں بوندی راج کی بے عزتی ہوئی ہے۔"

گھوڑے تیار ہوکر آئے۔ رانی کے ہاتھ سے خون جاری تھا۔ وہ ویسے ہی اُٹھی۔ اور اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر آرہی۔ ہاتھ میں لگام کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی +

بوندی کے آدمی رانی کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ سب کے دلوں میں غصہ کی آگ اندر ہی اندر جل رہی تھی۔ مگر رانی کو خاموش اور سکوت میں دیکھ کر سب خاموش تھے۔

یہ سب لوگ ابھی راہ میں تھے کہ اجیت سنگھ کے آنے کی خبر سنائی گئی۔ رانی کے چلے آنے سے اس کے دل کو قرار نہیں تھا۔ تفریح کے ارادہ سے شکار کھیلنے نکلا اور جے پور کی طرف چلا آیا۔ رانی نے اپنی داسی کو کہا۔ سکھی جا۔ اور بوندی نریش کو ابھی میرے سامنے لے آ۔ میں اس سے بات چیت کرنا چاہتی ہوں۔ داسی دوڑ گئی اور جب وہ راجہ کے پاس پہنچی۔ اس نے تعجب کے لہجہ میں پوچھا۔ تو یہاں کہاں؟ رانی کہاں ہے۔ اور تو اس قدر حواس باختہ کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا ان داتا! مجھ کو زیادہ حال بتانے کا حکم نہیں ہے۔ رانی صاحب آپ کے انتظار میں درخت کے تلے کھڑی ہیں۔ آپ کو بلا رہی ہیں۔ وہ خود سارا قصہ آپ کو کہہ سنائینگی +

راجہ اسی وقت وہاں آیا۔ جہاں رانی کھڑی تھی۔ تمام جسم خون سے بھرا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ کٹا ہوا۔ دوسرے ہاتھ میں لگام تھی۔ رانی کی حالت دیکھ کر راجہ چلا اُٹھا۔ اللہ یہ کیا ہوا۔ کیا غضب ہے۔ کس وجہ سے یہ بلا سر پر آئی؟ رانی نے کہا۔ مہاراج! امیر کے ساتھ میری کیفیت اور بوندی کی بے عزتی کا واقعہ شروع سے لے کر سر سے پاؤں تک سارا قصہ کہہ سنایا +

راجہ نے پانی منگا کر اپنے ہاتھ سے اس کے خون کو دھویا۔ گھوڑے سے زمین پر اتار لیا۔ تب رانی زمین پر آگئی۔ اس کے سر میں چکر آنے لگا اور پھر وہ بیہوش ہو گئی۔ راجہ نے اس کو ڈولی میں لٹا دیا۔ اور دل میں عہد کیا۔ کہ جب تک میں رانا امر سنگھ کو قتل نہ کر دونگا تب تک کبھی درگا کے محل میں نہ جاؤنگا۔

رانی تو ڈولی میں بیہوش پڑی ہے۔ آس پاس داسیاں رنج سے رو رہی ہیں اجیت سنگھ گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور بجے پور کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوسرے دن رانا بھی سسرال سے رخصت ہوا تھا۔ راہ میں اجیت سنگھ ملا۔ سب اس کے ساتھ تعظیم سے پیش آئے۔ اس نے امر سنگھ سے ملنا چاہا۔ ساتھیوں کو تامل ہوا۔ کیونکہ بوندی والی کی بے عزتی کا قصہ سب سن چکے تھے۔ مگر یہ بھی سوچا کہ ممکن ہے۔ رانی سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی ہو۔ یہ سیر شکار میں تھا۔ اجیت نے ان کو تامل کرتے ہوئے دیکھ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ دوسرے لمحہ میں وہ اودے پوری جماعت کے بیچ میں جا دھمکا۔ ابھی امر سنگھ کو موقع بھی نہ ملا تھا کہ اس کا خیر مقدم کرتا۔ اس نے ڈپٹ کر کہا۔ بوندی کا بدخواہ خبردار ہو۔ اجیت آ پہنچا۔ جس ہاتھ سے تو نے بے عزتی کی ہے میں اس کو کاٹ ڈالونگا۔ رانا پیچ و تاب میں ہوا۔ وہ سنبھل نہ سکا کہ اتنے میں اجیت کا بھالا اس کے سینہ پر جا پہنچا۔ وہ زخمی کبوتر کی طرح زمین پر تڑپنے لگا۔ دوسرے لمحہ میں اجیت کی تلوار نے اس کا بایاں ہاتھ قلم کر دیا۔ اور اس کو ہاتھ میں لئے ہوئے وہاں سے کوچ کیا۔ بوندی کے سواروں نے اس کی تقلید کی۔ اودے پور کی فوج والوں میں سے کسی کو ہمت نہیں پڑی کہ اس کو روک سکے یا اس کے

خون کا بدلہ لے۔ ایک شور محشر برپا ہوگیا۔ نئی دلہن جس نے اب تک اچھی طرح شوہر کا منہ بھی نہیں دیکھا تھا۔ پالکی سے نیچے اتری۔ اور رانا کی لاش کو اُٹھا کر گود میں لے لیا۔ اس غریب کے مُنہ سے آہ کا لفظ تک نہیں نکلا۔ اس نے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ شاہراہ پر جہاں یہ واقعہ ہُوا تھا۔ ایک چتا تیار کر دی گئی۔ کسن بال بدھو ارانا امر سنگھ کی لاش گود میں لیکر بیٹھ گئی۔ اور جب چتا میں آگ دی گئی۔ اور اسکے شعلے بلند ہوئے وہ کہتے ہوئے سنائی دی "پران ناتھ! میری قسمت میں لکھا تھا کہ شادی کی رسم ادا ہوتے ہی ہمارے درمیان جدائی۔ تمہارا کوئی قصور نہیں۔ میرے کرموں نے تم سے انوچت کام کرا دیا۔ اور تم چل بسے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ کرم پر کسی کا اختیار نہیں۔ انسان کیا سوچتا ہے۔ کیا ہو جاتا ہے۔ دنیا میں کسی بات کا ٹھکانا نہیں ہے۔ میں تم سے ناخوش نہیں تھی۔ کہ تم نے پراتی ہتری کا دھیان دیا۔ مگر یہ ہونے والا تھا۔ اس کو کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ ایشور کی اچھیا پورن ہوئی اور تھوڑی دیر میں آگ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

یہ درگا کا مختصر ورتانت ہے۔ اس کے بعد کیا ہُوا۔ تواریخ سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ روایت یہاں آکر ختم ہو جاتی ہے۔ اور ہم کو نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے بعد رانی زندہ رہی یا مر گئی۔ بہرحال جو کچھ ہوا ہوا۔ اس کی زندگی کا یہ ایک واقعہ کم سبق آموز نہیں ہے۔ اور ہم ایشور سے دعا مانگتے ہیں۔ جو لوگ اس پوتر کہانی کو سنیں۔ اُن کا من پوتر ہو۔ اُن کا سنکلپ پوتر ہو۔ اور ان میں اسی طرح ایشور دھرم کا پیار پیدا ہو۔ کیونکہ ۔۔

ایسا یہ سنسار ہے جیوں سنبل کا پھول۔
دن دس کے بیوہار میں جھوٹے رنگ نہ بھول
پانچ پہر دھندے گیا۔ تین پہر رہا سوئے
ایکو پہر نہ ہری بھجے۔ نراچیت بہو ہوئے
بالو کی دیوار جگت۔ بن سنت لگے نہ پار
کبیر ہری کی بھگتی بن۔ دھرگ جیوں سنسار

۵۔ اُرملا

(۱) بالم نا سکھ ریّن سکھی۔ رنا ٹکیہ پینے ہاتھ — دن
جو نر سیر سے رام کو۔ تن کو دھوپ نہ چھاتہہ — رات

(۲) یہ تن من ہے پیو کا۔ رہ پیو کا لوک اور لاج

اُرملا۔ اجمیر کے راجہ دھرم گنج دیو چوہان کی دھرم پتنی تھی۔ یہ نیک اور پیارا ستری استری تھی اور پولیٹیکل معاملات کی اچھی سمجھ رکھتی تھی۔ گو دھرم گنج دیو کے اور بھی کئی ایک محل تھے۔ مگر اُرملا ان کو سب سے زیادہ پیاری تھی۔ اور اس کی محبت نے اس قدر شہرت پا لیا تھا۔ کہ وہ دھرم شاستر اور راج کاج کی باتوں میں اچھے دانشمند مشیر کے فرائض انجام دیتی تھی۔ بلکہ کبھی کبھی سیر شکار میں بھی ساتھ رہا کرتی تھی +

جس زمانہ میں دھرم گنج دیو اجمیر میں راج کرتا تھا۔ اس وقت محمود غزنوی نے ہندوستان میں حملہ کیا تھا۔ پہلے اس نے سومنات کو فتح کیا۔ پھر ملتان کو لوٹا۔ بعد ازاں اجمیر پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔

دھرم گنج دیو نے جب یہ خبر سنی۔ اپنی فوج کی تیاری میں مصروف ہوا اس سے پہلے ایک مرتبہ اس نے محمود غزنوی کا نہایت دلیری کے ساتھ مقابلہ کیا تھا جس میں حریف کو اس کا لوہا ماننا پڑا تھا۔ اور سلطان مایوس بھی ہو گیا تھا۔ مگر ان میں پہلے سے ہی پھوٹ تھی وہ برابر غالب آتا گیا۔ اجمیر پر چڑھائی در اصل دھرم گنج دیو کے انتظام کے خیال سے تھی +

دھرم گنج دیو کے پاس پہلے فوج بیشمار تھی۔ مگر مسلمانوں کے ساتھ لڑنے میں ضائع ہو گئی تھی۔ اور صرف گنے گنے سردار بچ رہے تھے کیسی سے مدد کی اُمید نہیں رہی تھی۔ کیونکہ ہندو مل کر دشمن کا مقابلہ نہیں کرتے تھے۔ الگ الگ اپنے اپنے راج کے بچانے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ یہ وجہ در اصل ان کی شکست کی ہوا کرتی تھی +

راجہ فکرمند ضرور تھا۔ مگر اس میں استقلال اور ہمت بھی تھی۔ اجمیر ہمیشہ سے ایسی جگہ رہی ہے جس کے ارد گرد متعدد راجواڑے رہتے تھے۔ دھرم گنج دیو نے لڑائی کا اعلان دے دیا اور اپنے راج میں خبر کر دی کہ جس راجپوت کو اپنے کرتب دکھلانے کا حوصلہ ہو وہ اس موقعہ پر آ کر دشمن سے لڑے۔ یہ سچ ہے۔ ہندو اس وقت بگڑ گئے۔ ان میں قومیت اور ملکی پاسداری کا مادہ کالعدم ہو چلا تھا۔ مگر دھرم کا جوش کچھ نہ کچھ باقی تھا۔ راجہ کا پیغام سن کر ماؤں نے اپنے بیٹوں کو بلا کر کہا۔ "پترو! آج وہ وقت آ گیا ہے۔ جس کے لئے چھترانیاں لڑکے جنتی ہیں" بہنیں خوش تھیں کیونکہ ان کو بھائیوں کی کمر سے تلوار باندھنے اور تیر کھا کر دھرم یدھ میں بھیجنے کا موقع ملنے والا تھا۔ استریوں کو

اس بات کا ناز تھا کہ اُن کے پتی دھرم کی رکشا میں کسی سے پیچھے نہ رہینگے +

اس موقع پر جن باتوں سے عورتیں مردوں کو جوش دلا کر سنگرام میں بھیجتی تھیں ہم اُن کا ترجمہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

ماتا بیٹے سے کہتی ہے "پتر! جا آج میرے دودھ کی پوترتائی کو دکھا دے۔ دیکھنے والے دنگ ہو جائیں اور کہنے لگیں یہ سچا کشتری پتر ہے۔ پتر کُل سے پیدا ہوا ہے۔ شریف ہے۔ اور جانتا ہے۔ پران سے کس قسم کا کام لینا مناسب ہے۔ پتر! جا۔ راجہ کے جھنڈے کے تلے سب کے درمیان تیرا گھوڑا ہنہناتا ہوا نکلے۔ وہ سب کے آگے رہے اور تیری تلوار کی چمک سے دشمن کی آنکھوں کو چکاچوندی ہو۔ پتر! جا دھرم کی راج کی دیش کی رکشا کر۔ جس گھر میں ایک بیر بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اُس کے سات پشت تر جاتے ہیں۔ آگے قدم رکھنا پیچھے نہ پڑنے والے۔ میں بل بل جاؤں جب میں سنوں گی کہ میرے بیٹے نے کشتری کا دھرم پالن کیا ہے میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائیگا"

بہن بھائی کو زرہ پہنا کر کمر سے خنجر لٹکا کر کہتی تھی۔ بیرا! پوتر ماں باپ کے یادگار! دیکھ! بھائیوں کا خیال چھوڑ کر۔ تو مہم پر جا رہا ہے۔ بہن کی بات یاد رکھ۔ تیرے جسم پر ہزار زخم آئیں مگر پیچھے نہ ہٹنا۔ سو کو مار کر مرنا اور جب کوئی کہیگا کہ میرے بھائی کے جسم کے آگے کے حصہ میں زخم ہے اور پیچھے ایک بھی نہیں۔ میں کتنا خوش ہونگی۔ تیرے بڑے موتی جواہر نچھاور کرونگی۔ گھر آنا تو دشمن کو فتح کرکے آنا۔ نہیں تو سیدھے

دشمنوں کی لاش کی سیڑھی بنا کر سورگ کو چڑھ جاتا ہے۔"

بیاہتا استری اپنے شوہر سے کہتی تھی "میرے ماتھے کے ملک! زندگی میں یہ موقع بار بار نہیں آتے۔ کشتری کا سکھ سنگرام میں ہے گھوڑے اور ہاتھی، آدمی صرف رن بھومی میں جا سکتے ہیں۔ اب تک تم سو رہے تھے اب تمہارے جاگنے کا وقت آگیا۔ جاؤ۔ دنیا کو دکھا دو کہ سنگھ جاگ اُٹھے ہیں۔ یا دشمنوں کو نیچا دکھا کر آؤ۔ یا سرگ میں اپسراؤں کے ساتھ شادی کرو۔ اور میں بھی تمہاری داسی کی حیثیت میں اگنی بران پر چڑھ کر پیچھے پیچھے آؤں گی۔ پران ناتھ! کوئی یہ نہ کہنے پاوے کہ فلاں استری کا پتی سنگرام میں اپنا کام نہیں کر سکا۔ میری لاج تمہارے ہاتھ ہے۔"

سنسار میں کوئی سُکھ نہیں۔ اعلیٰ سُکھ وہ ہے جو سورگ میں ملیگا۔"

اس قسم کی باتیں کشترانیاں ایسے موقعوں پر عام کہتی تھیں ان سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا بھاؤ کیسا اونچا تھا +

دھرم گنج دیو کے پیغام کے سنتے ہی ہزاروں کی تعداد میں بانکے اور جانباز راجپوت اکٹھے ہو گئے۔ دھرم گنج دیو نے سب کو اپنی چھاؤنی میں جگہ دی۔ یہ سب نا آزمودہ کار ضرور تھے۔ مگر ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو راجہ کے لئے جان دینے سے پہلو تہی کرتا۔

مہارانی اُرملا سُست نہیں تھی۔ اسی کو ہر بات کی خبر تھی۔ اور سارا کام اس کی صلاح سے ہوا کرتا تھا۔ جو کچھ ہو سکا اُس نے فوج کے تیار کرانے میں مدد دی۔ جب آخری دن آپہنچا۔ ابھی ایک پہر رات باقی تھی کہ دھرم گنج دیو اُٹھا۔ نہا دھو کر اس نے ایشور کی پوجا کی اور جب چھاؤنی میں فوج کے لئے جانے لگا۔ رانی نے کہا "سوامی! حکم ہو کہ

میں بھی ساتھ ساتھ رن میں چلوں۔ میرے لئے محل میں رہنے کی جگہ نہیں رہی۔ میری جگہ آپ کے بائیں طرف ہے۔ سکھ یا دُکھ میں ہر حالت میں مجھے تمہارے ساتھ رہنے کا ادھکار دیا گیا ہے۔ میری اِچھیا ہے۔ آپ آگیا دو میں بھی جنگی لباس پہنکر آپ کے ساتھ چلوں اور اُس سر کو آپ کے اوپر نیوچھاور کرکے اپنا جنم بناؤں۔ ایسا سمے پھر کب مجھ کو ملے گا" راجہ کا دل رانی کی جوشیلی باتیں سُنکر بلیوں اچھل پڑا "شاباش، راجپوتنی۔ شاباش!! مجھ کو کوئی عذر نہیں ہے۔ تو خوشی سے لڑائی میں حصہ لے سکتی ہے۔ میں جانتا ہوں۔ جس وقت تیری تلوار چمکے گی دشمن خوف سے دبک رہینگے مگر دو ایک باتیں ہیں۔ جن پر غور کرنا تیرا کام ہے۔ اول تیرے ساتھ ہونے کی وجہ سے مجھ کو ہر وقت تیرے ہی بچانے کی فکر رہے گی۔ کیا عجب میں اپنا کام نہ کر سکوں۔ دوسرے یہ کہ برسات کا دن ہے۔ کالی کالی گھٹائیں چھا رہی ہیں۔ بجلی چمکتی ہے۔ جب موسلادھار پانی برسنے لگے گا تیرا کیا حال ہوگا۔ مجھ کو تیرا حال دیکھکر نرم مزاج بن جانا پڑے گا۔ اور پھر اپنے دُکھ کو نہیں تیرے آرام کی فکر سوچنی ہوگی۔ تیسرے میں اجمیر میں ایک ایسا آدمی اپنے پیچھے چھوڑنا چاہتا ہوں۔ جو راج کی حالت درست رکھ سکے وقتاً فوقتاً میری فوج کے لئے رسد اور آدمی مہیا کیا کرے۔ تجھ میں یہ ساری خوبیاں موجود ہیں۔ یہ باتیں ہیں۔ جو سدراہ ہیں"

رانی نے غور سے راجہ کی باتیں سُنیں۔ اور اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھکر جواب دیا "آپ کا حکم سر آنکھوں پر! ایشور آپ کی رکشا کرے۔ آپ صحیح سلامت دشمن کو مغلوب کرکے آویں۔ اگر اور طرح کا وقت آگیا ہے تو کچھ پرواہ نہیں۔ اُرملا کو آپ ہمیشہ اپنے ساتھ پاوینگے۔ اس

میں کسی طرح کا شک نہیں۔ بہت اچھا۔ آپ خوشی سے جایئے۔ اور اپنا کام کیجئے"۔

استری پرش، دونوں آخری مرتبہ بغلگیر ہوئے۔ راجہ پھر چھاؤنی میں آیا نقارہ پر چوب دی گئی۔ راجپوت پہلے سے تیار بیٹھے ہوئے تھے۔ اشارہ پانے کی دیر تھی۔ سب بجے سجائے گھوڑوں کے زینوں پر آرہے۔ پھر یہ سب سمندر کی امنڈتے ہوئے لہروں کی شکل میں دشمنوں کو غرقاب کرنے کے لئے بڑھے۔ لوہے سے لوہا بجنے لگا۔ تلوار پر تلوار چلنے لگی۔ راجپوتوں نے اس طرح دلیری کے کرتب دکھائے کہ دشمنوں نے بھی اُن کا لوہا مان لیا۔

بھالوں میں جو تیغوں کو سنبھالے نظر آئے
افسر نظر آئے نہ رسالے نظر آئے
ریتی پہ تپاں برچھیوں والے نظر آئے
ہر صف کی جگہ خون کے نالے نظر آئے
غل تھا کہ دن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا
مردوں کو اس انداز سے لڑتے نہیں دیکھا

دھرم گنج دیو جدھر جھکا اُسی طرف پرے کے پرے صاف ہو گئے اس کی دلیری نے راجپوتوں کی ہمت بڑھا دی مگر ہندوؤں کی بربادی کا وقت قریب آگیا تھا۔ ایک مسلمان کے تیر نے اس کو بیکام کر دیا۔ وہ سنبھلنا چاہتا تھا کہ دوسرا تیر آگیا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ راجپوت سردار کی موت سے سخت پریشان ہوئے۔ اس وقت تو وہ دِل کھول کر لڑے مگر شام کو راجہ کی لاش لیکر قلعہ میں آئے۔ لاش پر پھول لوں کی برکھا کی گئی سب کی اُمیدوں پر پانی پڑ گیا۔

جس وقت رانی کو معلوم ہوگیا۔ کہ راجہ سورگ کو سدھار گیا۔ اس پر رنج کا پہاڑ ٹوٹ پڑا! وہ محل سے باہر آئی راجہ کی لاش کو محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ حکم دیا۔ "ابھی چِتا تیار کردو" بہت سی استریاں رانی کے اردگرد ہوگئیں۔ اس کو ستی ہونے سے روکنا چاہا مردوں نے رو کر کہا "ماتا! تو ہم کو لڑنے کا حکم دے۔ ہم پر راج کر۔ اس کا وقت نہیں ہے" ارملا ہنسی۔ مردوں سے کہنے لگی "یہ راجپوتو! وہ وقت آگیا ہے جس کام کے لئے راج پتنیاں لڑکے جنتی ہیں۔ وہ کام راجہ نے کرلیا۔ کل ہی تم خود اس کا انجام دو گے" پھر وہ استریوں سے مخاطب ہو کر بولی۔ جس کام کیلئے لڑکیاں جنتی ہیں اس سے مجھ کو کوئی مت روکو۔ تم بھی وہ کام کرو۔ اور وقت پر اپنا فرض انجام دو"

پھر دھرم گنج دیو کے گھرانے کی بوڑھی استریاں اُس کو سمجھانے لگیں۔ بیٹی! تو صبر کر۔ جلدی مت کر" اُس نے اُن سے کہا "سکھ دُکھ کا ساتھی سنسار سے اُٹھ گیا۔ جب شریر سے آتما نکل گیا۔ اُس کو صرف نادان ہی گھر میں رکھتے ہیں۔ میں جیتی نہیں مرچکی ہوں" تم بتاؤ میرے لئے سنسار میں اب کیا رہا۔ جس کے سر سے تاج اُتار لیا گیا اگر وہ اپنے راج میں رہے تو بے حیا اور نکما ہے۔ جس کی لاج کھو گئی اور عزت میں فرق آگیا۔ اس کی موت زندگی سے بہتر ہے جس کا دوست نہیں، اکیلا ہے اُس کو جینے کی آشا رکھنی فضول ہے۔ اسی طرح جس استری کا پُرش نہیں اُس کا سنسار میں رہنا کبھی مناسب نہیں ہے۔ میں نے راجہ کو آج صبح کہہ دیا تھا کہ ساتھ ہی ساتھ میں بھی آونگی۔ میری آتما اب بھی راجہ کے ساتھ ہے۔ یہاں صرف پنجر پڑا ہے۔ اس لئے تم میں سے کوئی بھی سدِراہ نہ بنے"

ستی کے ارادہ کو دیکھکر اُسی وقت چتا تیار کی گئی۔ وہ راجہ کی لاش گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ چتا میں آگ لگا دی گئی۔ اور جب اس سے شعلے نکلنے لگے راجپوت اور راجپوتنیاں اُس کے آخری درشن کے لئے آگے بڑھیں اُس نے ان سب کو سُنا کر کہا "راجپوتو! راج اور دیش کی لاج تمہارے ہاتھ ہے۔ کل ہی تم اپنے راجہ کے قدم بہ قدم چلتے ہوئے دنیا کو دکھلا جاؤ کہ راجپوتوں کو زندگی کی پرواہ نہیں۔ وہ ایسی زندگی اور بے حیائی کو گوارا نہیں کرتے۔ اور اپنے دیش کی بھگتی میں جان دینا عزت سمجھتے ہیں۔ اگر جیو تو راجپوتوں کی طرح۔ اگر مرو تو راجپوتوں کی طرح! راجپوت کے نام کو کبھی کلنکت نہ کرو۔ یہ راج تمہاری ماں ہے۔ اور تم اس کے پتر ہو۔ ماں کی حفاظت کرنا تمہارا پرم دھرم ہے" راجپوتنیو! دشمن سر پر ہے۔ استریاں کل کٹمب کی لاج ہیں۔ ماتائیں۔ بہنیں اور استریاں اپنے اپنے رشتہ دار مردوں کو موکش مارگ پر لے چلیں۔ سب اپنا دھرم پالن کریں۔ اگر راج ہے دھرم ہے سو تنتر تا ہے تو خیر۔ ورنہ یہ طریقہ اختیار کریں۔ جو تمہاری رانی بتا رہی ہے بات مشکل سے ختم ہوئی تھی کہ آگ کے شعلے بھبھک بھبھک کر نکلنے لگے۔ اس کے کپڑے اور بالوں میں آگ لگ گئی۔ ستی بڑی آب و تاب صبر و استقلال سے بیٹھی رہی۔ ہاتھ جل رہا ہے۔ سینہ جل رہا ہے۔ سر جل رہا ہے۔ اور وہ اُسی شان سے پتی کو گود میں لئے ہوئے بیٹھی ہے۔ اور اسی طرح بیٹھی ہوئی جل رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں آگ نے اپنا کام تمام کر دیا۔ اور وہ سب کے دیکھتے دیکھتے سرگ کو سدھار گئی۔ جنھوں نے اس سانحہ کو دیکھا وہ کبھی بھول نہ سکینگے۔

دوسرے دن رانی کے حکم بموجب راجپوت اور راجپوتنیوں نے

اپنے دھرم کا پالن کیا۔ لیکن اس کا تعلق اس بیان سے نہیں ہے۔ اس لئے فروگذاشت کر دیا جاتا ہے +

اُرملا دھنیہ تھی۔ اس کا ساہس دھنیہ تھا۔ جو لوگ اس برتانت کو پڑھیں ایشور کرے وہ بھی اپنے دھرم کرم کو سمجھیں۔ یہی ہماری پرارتھنا ہے۔

یہ راہ حق ہے جو قدم آگے بڑھائے گا
گر سورگ کوئی چیز ہے۔ وہ پہلے جائیگا

۶- مینا

پتی ورتا ہے سُورما چت میں انیک بویک
بل پورش کی کہاں ہے۔ جامیں ستا ہی انیک

مینا آنند راؤ لُوار کی رانی تھی جو دھار کا راجہ تھا۔ مینا بڑی سلیم الطبع۔ نیک بخت۔ بہادر اور غیرت پسند عورت تھی اس میں سب سے زیادہ وصف یہ تھا کہ وہ مصیبت کے وقت اپنے استقلال کو ضائع نہیں ہونے دیتی تھی۔ نہ کبھی گھبراتی تھی آنند راؤ ۱۷۹۶ء میں دھار میں راج کرتا تھا۔ استری پُرش دونو ایک ہی مزاج کے تھے۔ اور ایکدوسرے سے پریم رکھتے تھے۔ گو کہنے کے لئے تو آنند راؤ کے منتری کئی ایک تھے۔ مگر راج کاج کے معاملات میں اس کی رانی سچے مشیر و اصلاح کار کا کام دیتی تھی۔ کوئی ایسی بات راج میں نہیں ہوتی تھی۔ جس میں رانی کا اندر رہتا ہو۔ اور راجہ کے دل میں کچھ اس طرح اس کی خوبیوں

نے تصرف پالیا تھا۔ کہ وہ رانی کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔
دونوں ایک دوسرے کے پریم میں خوش تھے +

مگر ایشور کی مرضی ایسا ناقص وقت آگیا کہ آنند راؤ سخت بیمار ہوگیا
بہت کچھ دوا علاج کیا گیا۔ مگر وہ جانبر نہ ہو سکا۔ مینا بائی پر رنج
کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ بیچاری کی خواہش تھی کہ شوہر کے ساتھ ستی ہو
جائے مگر وہ حاملہ تھی۔ ایسی حالت میں ستی ہونا پاپ میں داخل
ہے۔ ناچار تنگ آمد وسخت آمد۔ اس نے صبر وشکر سے کام لیا۔
اور شوہر کے مرتے ہی راج کاج کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا
اندور ونیز دوسرے قرب وجوار کے راجے انند راؤ کے راج کی
خوشحالی دیکھکر حسد کے مارے جلتے تھے۔ دھار چھوٹی راجدھانی تھی۔ مگر
اس کا انتظام اتنا اچھا تھا۔ کہ دشمنوں کو اچھا کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا
تھا۔ اب جب کہ دھار کی گدی خالی تھی۔ اور راج کا انتظام عورت کے
ہاتھ میں تھا۔ ہلکر کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے دھار کے کئی
آدمی اپنی طرف کر لئے۔ اور مرار جی راؤ نامی ایک چھوٹے سردار کو
راج کا وارث قرار دے کر دھار کی گدی پر بٹھانا چاہا۔ مینا کو پہلے ہی
سے خیال تھا کہ شوہر کے مرتے ہی دشمنوں کو پاؤں پسارنے کا
موقع ہاتھ آئے گا۔ اُس نے چند وفادار آدمیوں کو نوکر رکھ لیا۔ جو دم
بدم ریاست کے تمام آدمیوں کی حرکات کی جانچ کرتے رہتے تھے۔
اور رانی کو ان کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔ وہ آخر کو عورت تھی۔
ضرورت ومصلحت وقت دیکھکر اس نے دھار کا انتظام دیوان
کے سپرد کرکے خود ایک گاؤں میں جا کر رہنے لگی۔ جب وضع حمل قریب

آیا۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام رامچندر راؤ رکھا گیا۔ اس کا پیدا ہونا تھا۔ کہ رانی کی ہمت بڑھ گئی۔ اس نے اپنے آدمیوں سے کہا ”راج کا وارث پیدا ہو گیا۔ اب کسی کی مجال نہیں ہے کہ دھار کو ہمارے ہاتھ سے چھین سکے۔ دھار ہمارا ہے۔ اور ہمارا ہی رہیگا“

رانی کو شہر سے باہر دیکھکر مراری راؤ نے قلعہ پر قبضہ کرنا چاہا مگر رانی قلعہ کو سخت مضبوط کر گئی۔ رسد کا ساماں کافی تھا۔ قلعہ دار معتبر اور خیر خواہ آدمی تھا۔ شہر چھوڑتے وقت رانی نے قلعہ دار کو سمجھا کر کہا ”میں خود قلعہ میں رہ سکتی تھی۔ مگر میرے قلعہ میں بند ہو جانے سے کام خراب ہوگا۔ قلعہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں لڑکے کی حفاظت کا معقول انتظام کرکے باہر رہ کر دشمنوں کی سازش کو پامال کرتی رہونگی“

جب مُراری راؤ نے دیکھا کہ قلعہ دار مستقل مزاج آدمی ہے اور کبھی ماتحتی قبول نہ کریگا۔ اور دوسری طرف رانی آس پاس کے آدمیوں میں اپنا رسوخ پیدا کر رہی ہے۔ اس نے چالبازی سے کام لینا چاہا جہاں زبردستی نہیں چلتی وہاں ایسے موقعوں پر حکمت عملی سے کام لیتے ہیں۔ لڑکے کی پیدائش ہونے سے سب کو خوشی ہوئی۔ اور مراری راؤ کا اس طرح مقابلہ کیا گیا کہ اب اس کو لڑنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا۔ اُس نے رانی کو کہلا بھیجا ”میں تو تمہارا پہلے ہی سے تابعدار ہوں گدی کے والی وارث نہ ہونے سے بد انتظامی کا خوف تھا۔ اس لئے میں چاہتا تھا۔ اس کا انتظام درست رہے۔ اب چونکہ وارث پیدا ہو گیا ہے۔ آپ خوشی سے شہر میں آیئے۔ اور راج کا کام

سنبھال لئے!!

مینا اُس کے دھوکے میں آگئی۔ سمجھا۔ کیا عجب یہ سچ کہہ رہا ہو۔ آخر دیر تک سوچنے کے بعد وہ شہر میں گئی۔ مگر جب قلعہ کی طرف رُخ کیا۔ نمک حرام مراری راؤ نے راستہ روک دیا۔ مجبور کیا کرتی شہر میں آکر رہی اور اس کے مکان کے ارد گرد آدمیوں کا پہرہ قایم کر دیا گیا۔ تاکہ وہ اب اور جگہ نہ جا سکے۔ رانی قید ہو گئی۔ اس وقت اُس کو سچ مچ فکر کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ راجکمار بھی اس کے ساتھ تھا۔ مگر پھر بھی اس نے ہمت کو جواب نہیں دیا۔ اور اُسی دانائی اور ہوشیاری سے وہ مراری راؤ کی حرکات کی نگرانی کراتی رہی +

اب مراری راؤ کو فکر پیدا ہو گئی کہ کسی طرح رانی کے مکان میں آگ دے دی جائے تاکہ ماں بیٹے دونو اندر ہی اندر جھلس کر مر جائیں۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ جب یہ نہ رہینگے۔ کوئی اس کے مقابلہ پر نہیں آویگا شام کا وقت تھا۔ جب رانی کو دشمن کے ارادہ کی خبر دی گئی۔ اس نے اپنا سر تھوڑی دیر کے لئے نیچا کر لیا۔ اور حیرت کی نگاہ سے کمسن بچے کی طرف دیکھنے لگی۔ ماں کو اپنی طرف مخاطب پا کر لڑکا ہنسنے اور چلانے لگا۔ معصوم کی بھولی بھالی حرکت نے ماں کے دل کو صدمہ پہنچایا۔ یا بیٹے کو گود میں لیکر چومنے لگی۔ مگر اسکا دل دشمن کی سازش کی طرف سے بے پرواہ نہیں تھا۔

مینا کے ساتھ ایک دائی رہتی تھی۔ بائی نے اس کی طرف دیکھا بائی دوا یہ تیرا راجکمار ہے تو ہوشیار ہے اور اچھی سمجھ بوجھ رکھتی ہے اپنی لڑکی میرے حوالے کر دے میں اس کی نگرانی کرونگی۔ راجکمار کو میں گھٹی میں افیون گھول کر پلا دیتی

ہوں۔ وہ چپ چاپ سوتا رہیگا۔ تو مردانہ لباس پہن لے اور میری انگوٹھی لے کر قلعہ دار کے پاس چلی جا کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے پاوے کہ کیا ہو رہا ہے۔ جب تو قلعہ سے واپس آئیگی میں پھر اپنی حفاظت کا انتظام کرونگی"۔

راجپوتنی سیانی عورت تھی۔ اُس نے اسی وقت راجکمار کو لے لیا۔ اور لوگوں کی نظر سے بچتی ہوئی ہوشیاری سے قلعہ کے پھاٹک پر پہنچی پہرہ داروں نے روکا۔ اس نے اُن کو انگوٹھی دکھلا کر ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کی صلاح دی۔ پھر کیا تھا۔ دوسرے لمحہ میں یہ اندر پہنچی اور قلعہ دار کی گود میں رام چندر راؤ کو دے کر کہنے لگی "رانی یہ امانت تم کو سپرد کرتی ہے۔ آج سے تم اس راجکمار کی ماں اور محافظ کا فرض ادا کرو۔ میں چند ہی روز میں دھارا کا انتظام درست کر لونگی"۔

جب قلعہ دار کو معلوم ہوا کہ اس کی گود میں دھارا کا راجکمار دیا گیا ہے۔ اُس نے اس کو اسی وقت سلام کیا اور اپنی استری کو سپرد کرنے کے لونڈی کو اطمینان دے کر کہا "جب تک میرے تن میں میرے آدمیوں کی جان میں جان ہے کبھی نہ کوئی کا قلعہ پر قبضہ ہوگا نہ کوئی راجہ کا بال بیکا کر سکیگا"۔

راجپوتنی اسی احتیاط کے ساتھ واپس آئی اور جب رانی نے سنا کہ رامچندر راؤ قلعہ میں پہنچ گیا۔ رانی نے خوشی سے اُسی وقت مراری راؤ کو کہلا بھیجا "راج کا وارث تو قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اب اگر چاہے تو خوشی سے محل کو آگ لگا دے۔ مجھے اب کچھ پرواہ نہیں ہے"۔ مراری کو سخت پیچ تاب ہوا اس کے دل میں غصہ کی آگ جلنے لگی۔ اس نے چاہا کہ کسی تدبیر سے راجکمار اس کے ہاتھ آ جائے۔ مگر یہ مشکل تھا کیونکہ قلعہ دار شاید اب رانی کو بھی اس کا لڑکا واپس نہ دیتا۔ اس نے رانی کو کہلا بھیجا کہ آپ کو لوگوں نے غلط خبر دی ہے۔ میں

خود راجکمار کی زندگی کا محافظ ہوں۔ مجھ کو کسی پر اعتبار نہیں"۔ مگر رانی نے کچھ التفات نہیں کیا۔ اور باوجودیکہ وہ قید میں آگئی تھی۔ مگر اس کی ہمت و مردانگی دیکھ کر مراری باؤ اور کسی آدمی کو حوصلہ نہیں ہوتا تھا۔ کہ اسکے ساتھ شرارت کر سکے رانی جانتی تھی کہ ایسے وقتوں کے وقت دشمن کس طرح کے سلوک کرتے ہیں اس لئے اُس نے خود محل کے ہر چہار طرف اپنا انتظام کر لیا اور ہر وقت سوچنے لگی کہ کس تدبیر سے مراری راؤ اور ہلکر کے ارادوں کو مغلوب کیا جا سکتا ہے +

تھوڑے ہی عرصہ میں اس کو خبر ملی کہ گجرات کی طرف سے اس کیلئے مدد آ رہی ہے کیونکہ جب وہ گاؤں میں تھی اس نے بھی اپنے آدمی جا بجا مدد کیلئے بھیج رکھے تھے اس خبر نے رانی کو ہمت دی۔ جاسوسوں نے یہ کہا۔ کہ آج سے تیسرے دن یہ فوج دھار میں آجائیگی اس طرح کی مدد کی خوشخبری کو سب لوگ خوشی کے کان سے سنتے ہیں۔ مگر رانی دل میں سوچنے لگی۔ اگر کہیں مراری راؤ کو خبر مل گئی تو ممکن ہے وہ قید کی وجہ سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کا خیال کرے۔ اس لئے شام کے پہلے اُس نے تبدیل لباس کیا اور اپنی جگہ ایک اور عورت کو بٹھا کر ہوشیاری کے ساتھ محل سے نکل گئی۔ شہر سے باہر دو چار معتمد آدمی اس سے ملے اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جا بجا گاؤں میں گشت لگاتی ہوئی ایک اچھی جتھا آدمیوں کی اپنے ساتھ کر لی۔ اور ایک جگہ مقیم ہو کر مدد آنے سے پہلے مراری راؤ کو کہلا بھیجا کہ تمہاری سازش بے سود ہے تم اب کچھ نہیں کر سکتے سدا شیو کو تمہاری مدد دینے سے انکار ہے اس کے خط میرے آدمیوں کے ہاتھ پڑ گئے وہ لکھتا ہے کہ تم معافی مانگ کر اپنے ارادہ سے باز آؤ کل یا پرسوں گکوار کی فوج میری مدد پر آجائیگی اس کے سوا اگر ضرورت ہوئی۔ تو میں انگریزوں سے بھی مدد لے سکونگی۔ اس لئے میں حکم دیتی ہوں۔ تم فوراً شہر کو چھوڑ

دو۔ ورنہ پھر کل تم کو کہنے سننے کا موقع نہ رہیگا۔
مراری راؤ اس ہوشیار اور دانا عورت کی کارروائی سے سخت متعجب ہُوا قید خانہ سے اس طرح بہ آسانی نکل بھاگنا حیرت کا کام تھا۔ مگر اس کو یہ یقین نہیں تھا۔ کہ رانی نے گایکواڑ کو مدد کے لئے بلایا ہوگا۔ اس نے رانی کے حکم کی طرف مطلق توجہ نہیں کی اور سرکشی اور گستاخی سے جواب دیا۔
دوسرے دن گایکواڑ کی فوج وہاں پہنچ گئی۔ یہ حالت دیکھکر مراری راؤ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ پھر بھی اس کے پاس کافی جمعیت تھی۔ اور ہلکر نے مدد کا اقرار کر لیا تھا۔ شہر کے باہر کئی گھنٹے تک لڑائی ہوئی جس میں نمکحرام سردار کو سخت زک اٹھانی پڑی۔ اور رانی نے اس کو جلاوطنی کا حکم دیا۔
مراری راؤ کے شکست کھانے اور دھار میں پھر تسلط ہونے سے رعیت کو بڑی خوشی ہوئی رانی نے سب کی صلاح لیکر نابالغ لڑکے کی گدی کا جلسہ کیا۔ مگر یہ لڑکا بھی زیادہ دنوں تک نہیں جی سکا اس کے مرنے سے پھر وہی کھلبلی پڑ گئی اور کئی حقدار لڑنے کیلئے آمادہ ہو گئے بغیر راجہ کے راج کا چلنا مشکل تھا اس لئے مصلحت دیکھکر مینا نے اپنی بہن کے لڑکے کو گود میں لیکر اس کو رام چندر کا نام دیا اور گدی پر بٹھا کر اسی کے نام سے خود راج کا پربندھ کرنے لگی۔ اس کے مخالف اس قدر کمینے اور نالایق تھے کہ پنڈاری سرداروں کو دھار کے کئی صوبے دینے کے ارادہ سے ان پر چڑھ آئے۔
رانی ان سب سے دل کھول کر لڑتی رہی۔ ورنہ صرف اپنے ملک کو لوٹ مار سے بچا لیا۔ بلکہ ان کو شکست پر شکست دیکر مجبور کیا۔ کہ واپس چلے جائیں۔

لڑائی کا سلسلہ کئی برس جاری رہا۔ اس عرصہ میں روپیہ کی کمی کی وجہ سے گنگسی و نادر کے صوبوں کو سیندھیا کے ہاتھ چند شرطوں کے ساتھ رہن کر دیا تھا۔ جب ہر طرف سے تسلط ہوگیا۔ رانی نے سیندھیا کو صوبہ واپس دینے کیلئے کہلا بھیجا مگر یہ کب سننے لگا تھا۔ یہ جانتا تھا رانی بے بس ہے۔ اس میں سیندھیا کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ اور اسلئے بہت دیر تک وہ سنی ان سنی کرتا رہا۔ آخر مجبور ہو کر رانی نے کہلا بھیجا کہ اگر تم میرے راج کے صوبوں کو واپس نہیں دیتے تو اب میں انگریزوں سے مدد لیکر تم کو بے دخل کر دونگی۔ اور پھر تم کو افسوس کرنا پڑے گا۔ کہ اس معاملہ میں انگریزوں کی دست اندازی ہو۔ اس لئے اس نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا۔ اس عرصہ میں انگریز پنڈاروں کی بیخکنی کے ارادہ سے لڑتے ہوئے آرہے تھے۔ سیندھیا کو بھی ان کے بیچ میں پڑنے سے سخت تکلیف ہوئی۔ بدنادر کا صوبہ اس وقت رانی کے ہاتھ نہ آسکا۔ اس پر انگریز زبردستی قابض ہوئے اور پھر دھار کے ساتھ عہد نامہ کر کے اس کو اپنی طرف سے بخش دیا۔ مینا نے اس طرح انگریزوں کی حمایت میں پھر از سر نو دھار کی انتظامی حالت کو درست کیا۔

رانی ہمیشہ انگریزوں کی وفادار رہی۔ اس کے ساتھ تین سو سوار اور ڈیڑھ سو پیادہ رہتے تھے۔ جب ہر طرف سے اطمینان ہوگیا۔ باقی عمر اس راج کے درست رکھنے اور رعایا کے خوشحال بنانے میں صرف کی۔

۷۔ راج بالا

(۱) سانچ برابر تپ نہیں جھوٹ برابر پاپ
جا کے ہردے سانچ ہے تا کہ ہردے آپ

سنت ایشور

(۲) سانچے شاپ نہ لاگئے۔ سانچے کال نہ کھائے
سانچ کو سانچا ملے۔ سانچے ماہنہ سمائے

(۳) سانچا سودا کیجئے۔ سانچا من میں جان
سانچے ہیرا پائیے۔ سانچ نہ کیے ہوں ہان

(۴) جیو تو سانچا بانیا۔ سانچے ہاٹ لگائے
اندر جھاڑو پھیر کر۔ کوڑا جھوٹ بہائے

(۵) سائیں آگے سانچ ہو۔ سائیں سانچ سوہائے
بھاویں لمبے کیس کر۔ بھاویں موڑ مونڈائے

(۶) جاکی سانچی سُرت ہے رتا کا سانچا کھیل
آٹھ پہر چونسٹھ گھڑی۔ سائیں سیتی میل

(۷) تن میں بھسم لگائے کر۔ مٹی نہ من کی جاہ
جب لگ سانچی سُرت نہیں تب لگ جگ کی تاہ

(۸) پرم پریت کا چولنا پہر کبیرا ناچ
تن من تا پر وار ہوں۔ جو کوئی بولے سانچ

(۹) سانچا شبد کبیر کا۔ سانچ ہی دیو سندیس
جھوٹا آگے نہ بولئے۔ سانچا کو اُپدیش

۱؎ لمپ پرست جو تن بین آدمی کو دیندار کہنا غلط ہے۔ اس کو نہ تو ایشور پر وشواس ہے۔ نہ سچ کی عظمت کو جانتا ہے جس کے دل میں سچ اُتر جاتا ہے۔ اس کی کچھ حالت ہی اور ہو جاتی ہے دنیا کے فریب دینے والے پھندے اس کو کبھی نہیں پھنسا سکتے ۱۲

۱؎ ایشور۔ ۲؎ [illegible] ۳؎ [illegible] ۱۲

وہ اُسکے اُلجھن میں کبھی آتا ہے۔ ظاہر بین کی نگاہ میں گو اُسکی زندگی مصیبت اور رنج کی ہو۔ مگر سچائی اپنے ساتھ خاص قسم کا صبر بھی عطا کرتی ہے۔ جو اس کے زخم پر مرہم رکھتا رہتا ہے اور اس کا انجام ایشور کی کرپا سے بخیر ہوتا ہے

راج بالا وینتیل پور کے کٹھا کر پرتاب سنگھ کی بیٹی تھی۔ جو نہ صرف ظاہری حسن میں بیمثال تھی۔ بلکہ انسانیت۔ صبر۔ استقلال۔ عقل و تمیز میں بھی اسکو کمال تھا۔ اپنے پتی کو وہ جان سے زیادہ پیار کرتی تھی اور اس کی زندگی میں کبھی ایسا موقعہ نہیں آیا جب اس نے شوہر کی بھلائی اور رضامندی کو مقدم نہ رکھا ہو +

اس کا بیاہ ریاست اومر کوٹا کے سوڈھا علاقہ کے راجہ انار سنگھ کے لڑکے اجیت سنگھ کے ساتھ ہوا تھا۔ انار سنگھ کے پاس بہت بڑی تعداد سواروں کی رہا کرتی تھی۔ جن کا وہ سرغنہ تھا۔ اور چونکہ اس کا علاقہ چھوٹا تھا۔ وہ کبھی کبھی لوٹ مار سے روپیہ کی کمی کو پورا کر لیتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہُوا کہ راجہ کا خزانہ کہیں سے آرہا تھا۔ انار سنگھ کو خبر ملی۔ یہ اپنے آدمی لیکر چڑھ دوڑا۔ راجہ کے لشکر میں دلیر اور ہمت والے راجپوت تھے۔ جانبین میں خوب لڑائی ہوئی۔ آخر میں انار سنگھ کو شکست ہوئی اور اس کی جائداد ضبط کر دی گئی۔

اس شکست نے انار سنگھ کو کہیں کا نہیں رکھا۔ اب سوڈھا میں رہنا غیر ممکن تھا۔ راجہ نے علاقہ ضبط کر لیا۔ اس کو جلا وطنی کا حکم دیا گیا۔ بجیوہ۔ کردہ خویش آمدہ پیش۔ خود کردہ را علاجے نیست وہ وہاں سے علیحدہ ہوکر لیبی اور راجہ کے ایک گاؤں میں آکر سکونت پذیر ہُوا جس میں لے گئے پانچ ہی گھر تھے اس کا ہاتھ پہلے ہی سے تنگ تھا۔ اب اور حالت خراب ہوگئی اور آخر

میں اُس نے ندامت و پریشانی میں جان دی۔ اس کی ٹھکرانی اجیت سنگھ کو بڑی مصیبت سے پالنے لگی۔ لڑکے کی عمر اُس وقت تیرہ برس کی تھی۔ مگر بانکپن اور دلیری میں وہ اپنے ہم عمر لڑکوں میں لاثانی سمجھا جاتا تھا۔ اس خاندان کی رفتہ رفتہ یہ حالت ہوگئی کہ اجیت سنگھ کی ماں دوسروں کا کام کاج کرکے گذارہ کرنے لگی اور اُس غریب بیوہ نے بھی شوہر کی طرح تکلیف میں جان دی +

راج بالا کے ساتھ اجیت سنگھ کی نسبت اُس کے باپ کی حین حیات میں ہوچکی تھی۔ گو یا خاندان حد درجہ کا نادار اور مفلس بن گیا تھا مگر اس قسم کے معاہدوں کی راجپوت ہمیشہ سے بڑی عزت کرتے آئے ہیں۔ راجپوت لڑکیاں بالعموم غضب کی ضدی ہوتی تھیں ایک مرتبہ جب کبھی کسی کے ساتھ ان کا نام نکل گیا۔ پھر وہ کبھی دوسرے کے ساتھ کرنا گوارا نہیں کرتی تھیں +

اجیت سنگھ اب یتیم تھا۔ کسی طرح بیچارہ اپنی گذر اوقات کیا کرتا تھا اس کو اُمید تھی کہ شاید بلوغیت حاصل کرنے پر کوٹا کا راجہ اس کی جاگیر واپس دیدے وہ اس اُمید پر جیتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے کسی راجپوتنی کو پرتاب سنگھ کے یہاں حال دریافت کرنے کیلئے بھیجا کہ آیا وہ اب بھی شادی کر دینے پر تیار ہے یا نہیں جب یہ عورت پرتاب کے محل میں پہنچی راج بالا کی بلوغت کا زمانہ آپہنچا تھا وہ شادی کے تذکرہ کو سن کر ساتھ کی سکھیوں سے کہنے لگی "ہم تو اپنے پتی کو نہیں دیکھا۔ وہ کیسے ہیں؟ وہ بولیں "تمہارا پتی بڑا خوبصورت بڑھی مان اور بہادر ہے" شوہر کی تعریف سنکر راج بالا کے من میں بڑی خوشی ہوئی۔ کہنے لگی میرا شوہر راجپوت ہے خوبصورتی بہادری اور عقل جن میں یہ تین باتیں ہوں وہی آدمی کہلاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ اُن کے پاس دھن دولت نہیں ہے۔ دھن نہیں ہے۔

نہیں جہاں بدھی اور پراکرم ہے وہاں دھن آپ ہی آپ رہتا ہے۔"

راج بالا نے کسی طرح اس عورت سے ملاقات کرکے کہا۔ "تم جاکر میرے پتی سے کہو۔ اس گھر میں لوگ تمہاری غریبی کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ گھر میں آج سے نہیں کئی برس سے تمہاری ہتک ہو رہی ہے۔ تم میرے پتی ہو۔ میں تمہاری برائی سننا نہیں چاہتی۔ اس لئے تم باپ سے براہ راست درخواست کرکے مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ غریبی ہو یا امیری میں ہر حالت تمہارا ساتھ دونگی۔ کسی کا اختیار نہیں ہے کہ بات کو پلٹ سکے اگر شادی ہونی ہے۔ تو تمہارے ساتھ ہوگی۔ نہیں تو راج بالا خوشی کے ساتھ سنسار سے کوچ کر جائیگی۔ راجپوتنی سے جس وقت اجیت کو راج بالا کا سندیسہ ملا زیادہ خوشی سے تن میں پھولا نہ سمایا۔ وہ کہنے لگا دیکھو کیسا حملہ ہے میرے جیتے جی کوئی اور راج بالا کو بیاہ لے جائے۔"

راج بالا کی درخواست کے بموجب اس نے پرتاب سنگھ کو شادی کیلئے کہلا بھیجا۔ جواب آیا "شادی کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ لیکن تم بیس ہزار روپیہ اکٹھا کرکے لاؤ جس سے ثابت ہو کہ تم میری لڑکی کی پرداخت کر سکو گے۔ جب تک تمہارے پاس روپیہ نہ ہو۔ ایسی ہوس کرنا فضول ہے۔"

بات معقول تھی۔ کوئی نادار شخص کس طرح ایک شریف و دولتمند خاندان کی لڑکی کو بیاہ سکتا ہے؟ اجیت سنگھ پر فاکہ کے دریا بیتے (؟) ہو سب گیا۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ آخر اس کو جیسلمیر کے ایک دولتمند سیٹھ کی یاد آئی جسکے یہاں سے اس کے باپ کا لین دین تھا۔ وہ سیٹھ کے

پاس آکر کہنے لگا "تم میرے گھرانے کے پرانے مہاجن ہو۔ بیس ہزار روپے کے بغیر میری شادی نہیں ہوتی۔ شادی میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ مگر تم جانتے ہو میرے پاس اس وقت نہ ملک ہے نہ جاگیر ہے۔ اگر قدیم تعلقات کے خیال سے میرے اعتبار پر تم بیس ہزار روپیہ دے سکو تو دے دو۔ میں معہ سود کے بیباق کردونگا۔ سیٹھ نے اجیت کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہنے لگا "بیس ہزار روپے حاضر ہیں۔ ایشور کو ضامن دو اور یہ عہد و پیمان کرو کہ جب تک تم میرا روپیہ نہ ادا کردوگے تب تک تم اپنی استری کے پاس جانے میں ادھرم سمجھوگے"

ایسے قول کی پابندی مشکل ہوتی ہے۔ مگر روپیہ ملنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ غریب نے منظور کرلیا اور بیس ہزار روپیہ لے کر اپنے سسرال آیا۔ قول و اقرار کے موافق شادی کردی گئی۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہوئی کہ یہ روپیہ کہاں سے آیا اور نہ کسی نے دریافت کیا +

شادی ہونے کو تو ہوگئی۔ خاندان کے دستور کے موافق دولھا اور دولھن دونوں کے لئے ایک محل دے دیا گیا۔ یہ کئی دن اس میں رہے لیکن جب سونے کا وقت آتا تو اجیت سنگھ ننگی تلوار درمیان میں رکھ سوتا۔ راج بالا کو اُس کی حرکت سے سخت تعجب ہوا۔ اُس نے دل میں کہا "میرا پتی سچ مچ بڑا خوبصورت عقیل اور بہادر ہے لیکن خبر نہیں ننگی تلوار رکھکر سونے کا کیا مطلب ہے۔ کیا کہیں میری قسمت نے مصیبت کی خوفناک شکل تو نہیں اختیار کی؟" اسطرح کئی دن گذر گئے اس سلوک سے وہ دل میں سخت پیچ و تاب کھاتی تھی۔ مگر پوچھنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ آخر جب دو چار دن گذر گئے اور اُن کے درمیان بات چیت ہونے لگی۔ راج بالا نے ایک دن جرات کرکے

پوچھا۔ سوامی ناتھ! میں دیکھتی ہوں تم اکثر گہری سانس لیا کرتے ہو۔ تم دل میں خوش نہیں ہو۔ کوئی نہ کوئی سخت صدمہ تم کو پہنچا ہے۔ میں تمہاری داسی ہوں مجھ سے چھپانا اچھا نہیں ہے۔ میں سوچونگی کس طرح تمہاری فکر دور ہو سکتی ہے۔"

اجیت سنگھ کا دل اس معصوم لڑکی کی بات سنکر بھر آیا۔ اُس نے زمین کی طرف شرم سے گردن جھکالی۔ راج بالا نے پھر کہا "پران ناتھ! گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ دنیا میں سب پر مصیبت آتی ہے۔ ایک بھی ایسا آدمی نہیں جو دکھ کا شکار نہ بنا ہو۔ فکر لاحاصل ہے۔ دنیا میں ہر مرض کی دوا اور ہر فکر کا علاج موجود ہے۔ جو اپنا دکھ اپنے ہمدردوں پر ظاہر نہیں کرتے وہ ناحق اور فضول مصیبت برداشت کرتے ہیں۔ آپ فکر نہ کرو۔ مجھ سے کہو۔ جو کچھ ہوگا میں آپکی مدد کرونگی۔ اگر میرے مرنے سے آپ کا بھلا ہوتا ہے۔ تو میری جان ہر وقت خدمت کے لئے حاضر ہے۔"

دنیا میں پرماتما نے عورتوں کو فرشتہ بناکر بھیجا ہے۔ وہ اس لئے آتی ہیں کہ مردوں کی مشکل کو آسان کریں۔ اُن کی سخت مزاجی کو ملائمت دیں۔ اُن کے دکھ میں شریک ہیں اور اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے اُن کے غم کو غلط کرتی رہیں۔ اگر عورت نہ ہوتی تو دنیا کا کیا حال ہوتا! یہ کبھی رہنے کے قابل نہ سمجھی جاتی۔ عورتوں کا دل ایک گہرا سمندر ہے جس میں ہمدردی کی لہریں اٹھا کرتی ہیں۔ مبارک ہے وہ شخص جس کو انکی ہمدردی حاصل ہے۔ کیونکہ اسکے زخم کیلئے مرہم و اسکے دکھ کیلئے آرام کی صورت موجود ہے۔

اجیت سنگھ نے پھر بھی کچھ نہیں کہا نہ سر اوپر اُٹھایا۔ راج بالا پھر مخاطب ہوئی "پران پتی! کیا راج بالا اس قابل نہیں ہے۔ کہ تم اُس کا اعتبار کرو" اس مرتبہ اجیت سنگھ نے اس پاک دیوی کا ہاتھ پکڑ لیا! وہ رقت ناک لفظوں میں اپنی مصیبت

کی داستان کہہ سُنائی۔ راج بالا جب توجہ کے ساتھ سُن چکی۔ کہنے لگی "سوامی! تم نے بہت بڑی قیمت دیکر مجھ کو مول لیا ہے۔ میں کیا کبھی تمہاری اس کرپا کو بھول سکتی ہوں! کبھی نہیں یہ جگہ ایسی نہیں۔ جہاں بیس ہزار روپیہ مل سکیں اس لئے اس کو ترک کرنا ہی اچھا ہے۔ میں اسیوقت مردانہ پوشاک پہنتی ہوں۔ ہم تم دونو ایک ساتھ رہینگے۔ جب کوئی پوچھے۔ سالے بہنوئی کے رشتہ سے اسکے سوال کا جواب دیجئے گا چلئے پردیس میں چل کر مہاجن کے روپیہ ادا کرنے کی فکر کیجئے +

آدھی رات کا وقت تھا۔ جب استری پُرش کے درمیان ایسی گفتگو ہوئی۔ سب لوگ بیخبری کی نیند میں مست تھے۔ راج بالا نے مردانہ لباس زیب تن کیا اپنی ایک وفادار باندی کو ساتھ لیا۔ اور باہر آکر تینوں گھوڑوں پر سوار ہوکر ایک طرف چل نکلے۔ کئی دن کے بعد اودے پور کے شہر میں دو بانکے سجیلے راجپوت گھوڑوں پر سوار نظر آئے اس وقت میواڑ کی گدی پر جگت سنگھ تھا۔ یہ محل کے کوٹھے پر بیٹھا ہُوا شہر کی طرف نگاہ کرتا تھا۔ نئے راجپوتوں پر نگاہ پڑی۔ اُسی وقت اُس کے دو وشواسی جاسوس انکا حال دریافت کرنیکے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ دو ایک گھنٹہ کے بعد یہ رانا کے سامنے حاضر کئے گئے جب دو نو سلام مجرا کر چکے۔ رانا نے پوچھا "تم کون ہو؟ کہاں سے آئے اور کہاں جا رہے ہو؟" اجیت سنگھ نے جواب دیا "ہم دو نو راجپوت ہیں۔ میرا نام اجیت سنگھ اور میرے سالے کا گلاب سنگھ ہے۔ روزگار کی تلاش میں آپ کے دربار میں آئے قسمت نے آپ کا درشن دکھایا۔ آگے کیا ہوگا کچھ نہیں کہا جاتا۔ رانا راجپوتوں کی وضع قطع دیکھکر خوش ہُوا۔ ان میں کچھ اس طرح کی بیخوفی اور شرافت تھی۔ جو اس کی نگاہ میں کھب گئی اور راجپوت کے نام کا شیدا مہارانا جگت سنگھ نے ہنس کر۔

تسلی بخش لہجہ میں اپنی سرپرستی میں رکھنے کا وعدہ کیا ان کے رہنے کے لیے اسی وقت ایک حویلی خالی کر دی گئی اور کھانے پینے کے علاوہ پانچ روپیہ روز جیب خرچ کا حکم جاری کیا۔

استری پرش دونوں اودے پور میں رہنے لگے۔ مگر بیس ہزار روپیوں کی فکر ہمیشہ دامنگیر رہا کرتی تھی۔ کوئی شکل قرضہ کے ادا کرنے کی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ شروع برسات میں اودے پور آئے تھے۔ برسات کا موسم گذر گیا اور دسہرہ کی مبارک تقریب آ پہنچی۔ جس دن راجستھان میں بڑا اُتسو منایا جاتا ہے۔ اور اودے پور میں پاڑھے کا شکار کرنے کا رواج ہے۔

رانا کے ساتھ اُس کے تمام سردار اور بڑے بڑے افسر گھوڑوں پر سوار تھے۔ گلاب سنگھ اور اجیت سنگھ بھی سب کے پیچھے پیچھے موجود تھے۔ اتنے میں ایک ہرکارہ نے خبر دی مہاراج کی جے ہو! پاڑھے کے عوض ایک شیر کے قریب ہونے کی خبر ملی ہے۔ رانا نے اپنے سرداروں سے متوجہ ہو کر کہا۔ سردارو مبارک ہو۔ آج دسہرہ کا دن اور شیر کا شکار۔ ایسا موقعہ ذرا مشکل سے ہاتھ آتا ہے۔ پاڑھے کا خیال چھوڑ دو شیر ہی کی طرف کیوں نہ متوجہ ہوا جائے۔ حکم کی دیر تھی۔ ہنکوا کرنے والوں نے تین طرف سے شیر کو گھیر لیا اس کے نکلنے کا صرف ایک ہی راستہ تھا جدھر رانا اور اُس کے سردار منتظر کھڑے تھے۔ رانا ہاتھی پر سوار تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ خود ہی شکار کرے اس لئے اس نے اور سرداروں کو موقع سے کھڑا کر دیا تھا جب شیر کے ہونے کی خبر دی تھی وہ کوئی چھوٹا موٹا شیر نہیں تھا بلکہ شیر ببر تھا۔ جب اُس نے دیکھا کہ آدمی اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔ تو وہ رانا کی طرف بڑھا۔ اُس کی جسامت دیکھ کر رانا کے ہوش خطا ہو گئے۔ اتنا بڑا ہیبت ناک شیر پہلے کبھی نگاہ سے

نہیں گزرا تھا۔ اس کا مارنا آسان نہیں تھا۔ دو سرے سردار بھی گھبرا گئے۔ شیر تڑپ کر رانا کے ہاتھی پر آ چھپٹا اور اسکی پیشانی سے گوشت کا ٹکڑا نوچ کر پیچھے کو ہٹا۔ رانا کے ہاتھ سے مارے خوف کے کمان گر گئی۔ شیر دوسری دفعہ اُچھلنے کی تیاری کر رہا تھا۔ گلاب سنگھ نے دور سے دیکھا معاملہ نازک ہے اس نے اجیت سنگھ کے کان میں جھک کر کہا "رٹھا کر صاحب! رانا جان جوکھم میں ہے اس کو خطرہ میں چھوڑنا سخت نمک حرامی ہوگی۔ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔ سلام! میں جاتا ہوں" اجیت کو زبان کھولنے کا بھی موقع ابھی نہیں ملا تھا کہ گلاب سنگھ کا گھوڑا تیر کی طرح سنسناتا ہوا آگے بڑھا۔ ہاتھی اپنا استقلال کھو چکا تھا شیر دوسری دفعہ تڑپ کر اسکے اوپر آنے کو ہی تھا اس مرتبہ رانا کی خیریت نہیں تھی مگر شیر کا اُچھلنا تھا۔ کہ تیز رفتار گھوڑے کے شہسوار نے اچھل کر اس کو اپنے بھالے پر روک لیا۔ شیر ہاتھی پر نہ آ سکا۔ زمین پر گرا۔ دوسرے لمحہ میں بھالا بردار نے بھالے کو شیر کے حوالے کر کے تلوار لیکر اس پر حملہ کیا۔ اسکے ہاتھ میں غضب کی طاقت تھی شیر کی گردن کٹ کر علیحدہ دور جا پڑی۔ اور اُسی وقت گلاب سنگھ کے تیز ہاتھوں نے اُس کے کان اور دُم کو کاٹ لیا۔ لکھنے میں دیر ہوتی ہے۔ اس کام میں مشکل پانچ چار منٹ لگے ہونگے۔ جب شیر کا کام تمام ہو گیا۔ کان اور دم ہاتھ میں لئے ہوئے سوار جس طرح آیا تھا۔ اُسی تیزی سے دوڑ کر اجیت سنگھ کے ساتھ ہو لیا اور کسی کو پتہ بھی نہ ملا کہ کس نے اس غیر معمولی جرات کے ساتھ شیر کا کام تمام کر دیا ہے۔

شیر کے مرنے پر ہر چہار طرف سے مبارک سلامت کی صدا بلند ہوئی سب لوگوں نے اپنی اپنی جگہ سے آ کر رانا کے ہاتھی کو گھیر لیا۔ جو خون جاری تھا رانا اُس کی وجہ سے تکلیف میں تھا۔ رانا دوسرے ہاتھی پر سوار ہوا۔ سرداروں

نے کہا ایشور نے آج بڑی دیا کی ہم سب لوگوں کی جان میں جان آئی۔ جب سب مبارک دے چکے تھے۔ رانا نے پوچھا یہ کون آدمی تھا۔ جس نے آج میری جان بچائی ہے۔ بہتر ہے وہ میرے پاس آئے۔ میں اُس کو انعام دونگا۔ مگر مارنے والا بہت دور تھا۔ اور وہ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رانا نے تھوڑی دیر تک انتظار کیا۔ آخر موقعہ پرست خوشامدی درباری اپنے اپنے خاص دوستوں کا نام پیش کرنے لگے۔ مگر رانا نے کہا نہیں۔ میں نے اس کو جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ گو ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتا۔ لیکن اس کو پہچاننے میں مجھ کو دقت نہ ہوگی۔ اس کے چہرے کی خوبصورتی میری آنکھوں میں کھبی ہوئی ہے۔" رانا کی بات سُنکر سب چپ ہو گئے پھر کسی نے زیادہ بات چیت کرنے کی ہمت نہیں کی۔ سواری محل کی طرف چلی۔ رانا پھاٹک پر اتر پڑا اور حکم دیا۔ ایک ایک آدمی میرے پاس سے گزرتا جائے۔ سب باری باری اسکے سامنے سے گذرتے ہوئے قلعہ کے اندر داخل ہوئے۔ جب گلاب سنگھ جانے لگا۔ رانا نے اُس کی شکل و صورت دیکھکر پوچھا۔ "راجپوت! کیا شیر کا قاتل تو ہے؟" گلاب سنگھ نے سر کو جھکا کر کہا "جس کو حضور فرمائیں وہی شیر کو مار سکتا ہے۔ شیر کی موت آپ کے حکم میں ہے۔" رانا بولا "میں سمجھتا ہوں۔ شیر تیرے ہی ہاتھ سے ہلاک ہوا ہے۔ گو میں کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ دوڑنے والے گھوڑے کی تیزی نے مجھ کو اچھی طرح پہچاننے کا موقع نہیں دیا تھا۔"

اجیت سنگھ قریب تھا۔ بولا "غریب پرور! شیر کے کان کٹے ہیں اور دُم نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے مارنے والے نے ان کو ثبوت کیلئے اپنے پاس رکھا ہوگا۔" رانا کو اور بھی حیرت ہوئی "تو نے تو اب تک شیر کو دیکھا نہیں پھر کیسے یہ بات جانتا ہے۔ تو نے شیر کو کبھی نہیں مارا۔

اجیت سنگھ شرما گیا۔ "حضور میں شیر کا قاتل نہیں ہوں۔ مگر شیر کا قاتل وہ ہوگا جس کے پاس اس کے کان اور دم ہونگے" رانا نے گلاب کو حکم دیا "میں بھول گیا تھا۔ یہ تیرا بھنوئی اور محرم راز ہے۔ شیر کے دم اور کان کو حاضر کر۔" اور گلاب سنگھ نے اسی وقت اپنے گھوڑے کی زین کے نیچے سے نکال کر مہارانا کے سامنے پیش کیا۔

رانا بولا "راجپوتو! تم شریف اور دلیر معلوم ہوتے ہو۔ آج سے تم دونو میرے ساتھ رہا کرو۔ میں تم کو اپنا باڈی گارڈ مقرر کرتا ہوں۔ اور آج کی خدمت کے عوض میں گلاب سنگھ کو انعام دونگا"

رانا محل میں آیا۔ وہاں پہنچکر اس نے جان بچنے کی خوشی میں تلادان کیا اور گلاب سنگھ کو خلعت پارچہ عطا فرمایا۔ گو یہ دونوں راجپوت ایک ساتھ رہتے تھے گو رات کے وقت اُن کو جدا ہونا پڑتا تھا۔ اجیت سنگھ تو رات کو دربار میں رہتا تھا۔ گلاب سنگھ رانا کے خوابگاہ پر تعینات تھا۔ دونوں کی ظاہری حالت اچھی تھی۔ خرچ کے لئے کافی روپیہ ملتا تھا۔ گذر اچھی طرح ہوتی تھی۔ مگر دونوں ہر وقت فکر میں چور رہتے تھے۔

برسات کے شروع میں ان کی شادی ہوئی تھی۔ بارہ مہینہ گذر گئے سیٹھ کے روپیہ کا کہیں سے انتظام نہ ہو سکا۔ بیس ہزار کی رقم کا یکبارگی ہاتھ آنا مشکل تھا دوسرے برسات کا موسم آیا۔ ایک رات آسمان پر خوب کالی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ بجلی چمک رہی تھی۔ ہوا زور شور سے بہہ رہی تھی۔ گلاب سنگھ تو رانا کے پھاٹک پر تھا۔ اجیت رانا کیساتھ تھا۔ رانا نے کہا "راجپوت! تو جا کر آرام کر۔ میں اندرونِ محل میں جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر جے پور والی رانی کے محل میں چلا گیا۔ پھاٹک پر گلاب موجود تھا۔ سلام کیا۔ جب رانا محل میں داخل ہوا۔ گلاب اپنی

حالت پر غور کرتا ہوا اس وقت کے لہجہ میں دبی زبان سے ملہار کے راگ میں گانے لگا۔

الی ری رم جھم باور برسے ۱۔ سکھی
باور گرجے۔ دامنی دمکے۔ رہ رہ بیر اجیا ترسے ۲۔ بجلی
مور پپہا بولن لاگے۔ برہن ہیہ دکھ کرسے

اجیت سنگھ رانا سے رخصت ہوکر اپنی خوابگاہ کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے گلاب کے پر سوز راگ کو سُنا۔ دل میں سانپ لوٹنے لگا۔ اس نے بھی اُسی لہجہ میں جواب دینا مصلحت سمجھا تاکہ گلاب کو معلوم ہو جائے اجیت اس کی طرف سے غافل نہیں ہے۔

پرست دھرن اکھنڈت دہارا بات چھپی نہیں ہر سے ۱۔ زمین
کرم کی بات پربل الی جانی۔ کیسے پیڑ پد پرسے ۲۔ چرن ۳۔ چھونا
الی رم جھم باد برسے

گلاب نے اجیت کے راگ کو سُنا۔ اُسی وقت افسوس کے ساتھ اُس نے گہری سانس لی۔ سچ ہے قسمت پر کسی کا اختیار نہیں ہے +

جگت سنگھ کی جے پور رانی بہت دانا اور سمجھدار تھی۔ دونوں گانے والوں کے راگ کی بھنک۔ اس کے کان میں پڑی۔ اس نے رانا سے کہا "میری سمجھ میں آتا ہے کہ جو یہ دونو راجپوت تمہاری سیوا میں رہتے ہیں استری پورش ہیں۔ اور یہ شخص جو رنواس کے پہرہ پر ہے بلاشک شبہ استری ہے کوئی سبب ہے جس کی وجہ سے یہ ایک دوسرے سے نہیں ملتے اور دل ہی دل میں کڑھتے ہیں۔ رانا قہقہہ مار کر ہنسا "خوب تم کو خوب دور کی سوجھی۔ یہ سالے بہنوئی ہیں۔ ہمیشہ سے ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔ آج یہ شخص یہاں ڈیوڑھی پر ہے۔ ورنہ ان کے درمیان بڑی زبردست اور گہری محبت ہے کہ وہ کبھی الگ نہیں رہنا چاہتے "

رانی نے کہا "مہاراج! آپ جو کچھ کہتے ہو سچ ہوگا۔ لیکن میری بات بھی مان لیجئے۔ ان کا امتحان لیجئے۔ آپ ہی سچ جھوٹ معلوم ہو جائیگا"۔

رانا کو حیرت ہوئی۔ اجیت سنگھ ابھی دور نہیں گیا تھا۔ اُس نے اُسی وقت اس کو اور گلاب سنگھ کو اپنے محل میں بلا بھیجا۔ وہ تو حیران ہوئے کیا ماجرا ہے۔ آخر جب اُس کے سامنے جاکر سلام کیا۔ رانا نے پوچھا "گلاب اور اجیت! تم یہ بتاؤ۔ تم میں سے دونو مرد ہو یا کوئی ایک تم میں سے استری بھی ہے؟" وہ تو چپ! کیا جواب دیتے۔ رانا نے پھر وہی سوال کیا "تم بولتے کیوں نہیں؟ جو تم کو دُکھ ہو کہو۔ میرے اختیار میں ہوگا۔ تو ابھی اُسی وقت میں اُس کو دور کر دونگا۔ شرم یا خوف کی کوئی ضرورت نہیں ہے"

اجیت سنگھ نے سمجھا "پرماتما نے دیا کی مصیبت کے ختم ہونے کا وقت آگیا"۔ اُس نے رانا کو سر جھکا کر جواب دیا "ان داتا آپ اپنے داسوں کے ماں باپ ہو۔ آپ سے کوئی بھید چھپا رہ نہیں سکتا"۔ اس کے بعد اس نے اپنی ساری کیفیت شروع سے آخر تک کہہ سنائی +

رانا نے اجیت کو اس وقت کچھ جواب نہیں دیا۔ داسی کو بلا کر کہا "دیکھ! یہ بائی جو مردانہ لباس میں کھڑی ہے۔ میری بیٹی ہے۔ اس کو اندر لیجا کر ابھی زنانہ کپڑے پہنادو اور علیحدہ رہنے کے لئے محل میں جگہ دو اور ہر طرح سے اس کے آرام کا انتظام کر دو" راج بالا رانا کا حکم سن کر اسی وقت شرم سے سر جھکائے ہوئے محل میں داخل ہوئی۔ رانی نے کثرت سے زیور اور کپڑے اس کے پہننے کے لئے اتار دیئے۔ جب وہ اندر چلی گئی۔ رانا نے اجیت سے کہا "میں تیرے باپ دادا کے نام سے واقف ہوں۔ دیکھ مجھے تیرے عہد و پیمان کو تیرے نے آج تک اپنی زندگی میں ایسا نہیں دیکھا تھا۔ تو ہمیشہ نیک سے رہ دیوتا ہے۔ جا اس وقت محل میں

حالت پر غور کرتا ہوا اس وقت کے لہجہ میں دبی زبان سے ملہار کے راگ میں گانے لگا۔

الی[1]۔ رم جھم باور برسے — ۱؎ سکھی

باور گرجے۔ دامنی[2] دمکے۔ رہ رہ ہیرا جیا ترسے — ۲؎ بجلی

مور پپیہا بولن لاگے۔ برہن ہیہ دکھ کرسے

اجیت سنگھ رانا سے رخصت ہو کر اپنی خوابگاہ کی طرف جا رہا تھا۔ اُس نے گلاب کے پرسوز راگ کو سُنا۔ دل میں سانپ لوٹنے لگا اس نے بھی اُسی لہجہ میں جواب دینا مصلحت سمجھا تاکہ گلاب کو معلوم ہو جائے اجیت اس کی طرف سے غافل نہیں ہے۔

پرست دھرن[1] اکھنڈت۔ ہارا بات چھپی نہیں ہر سے — ۱؎ زمین

کرم کی بات پر بل الی جانی۔ کیسے پیئو[2] پد پرسے[3] — ۲؎ چرن ۳؎ چھونا

الی رم جھم باور برسے

گلاب نے اجیت کے راگ کو سُنا۔ اُسی وقت افسوس کے ساتھ اُس نے گہری سانس لی۔ سچ ہے قسمت پر کسی کا اختیار نہیں ہے +

جگت سنگھ کی جے پور رانی بہت دانا اور سمجھدار تھی۔ دونوں گانے والوں کے راگ کی بھنک اس کے کان میں پڑی اس نے رانا سے کہا "میری سمجھ میں آتا ہے کہ جو یہ دونوں راجپوت تمہاری سیوا میں رہتے ہیں استری پرش ہیں۔ اور یہ شخص جو رنواس کے پہرہ پر ہے بلاشک و شبہ استری ہے کوئی سبب ہے جس کی وجہ سے یہ ایک دوسرے سے نہیں ملتے اور دل ہی دل میں کڑھتے ہیں۔ رانا قہقہہ مار کر ہنسا "خوب اتم کو خوب دور کی سوجھی۔ یہ سالے بہنوئی ہیں ہمیشہ سے ایکدوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔ آج یہ شخص یہاں ڈیوڑھی پر ہے۔ ورنہ ان کے درمیان ایسی زبردست اور گہری محبت ہے کہ وہ کبھی الگ نہیں رہنا چاہتے"

رانی نے کہا "مہاراج! آپ جو کچھ کہتے ہو سچ ہوگا۔ لیکن میری بات بھی مان لیجئے۔ ان کا امتحان کیجئے۔ آپ ہی سچ جھوٹ معلوم ہو جائیگا۔"

رانا کو حیرت ہوئی۔ اجیت سنگھ ابھی دور نہیں گیا تھا۔ اُس نے اسی وقت اس کو اور گلاب سنگھ کو اپنے محل میں بلا بھیجا۔ دونوں حیران ہوئے کیا ماجرا ہے۔ آخر جب اُس کے سامنے جاکر سلام کیا۔ رانا نے پوچھا "گلاب اور اجیت! تم یہ بتاؤ۔ تم میں سے دونوں مرد ہو یا کوئی ایک تم میں سے استری بھی ہے؟" دونوں چپ! کیا جواب دیتے۔ رانا نے پھر وہی سوال کیا "تم بولتے کیوں نہیں؟ جو تم کو دکھ ہو کہو۔ میرے اختیار میں ہوگا۔ تو ابھی اُسی وقت میں اُس کو دور کر دونگا۔ شرم یا خوف کی کوئی ضرورت نہیں ہے" اجیت سنگھ نے سمجھا "پرماتما نے دیا کی۔ مصیبت کے ختم ہونے کا وقت آگیا۔" اُس نے رانا کو سر جھکا کر جواب دیا "ان داتا آپ اپنے داسوں کے ماں باپ ہو۔ آپ سے کوئی بھید چھپا نہیں رہ سکتا۔" اس کے بعد اس نے اپنی ساری کیفیت شروع سے آخر تک کہہ سنائی +

رانا نے جیت کو اس وقت کچھ جواب نہیں دیا۔ داسی کو بلا کر کہا "دیکھ! یہ بائی جو مردانہ لباس میں کھڑی ہے۔ میری نیتری ہے۔ اس کو اندر لیجا کر ابھی زنانہ کپڑے پہنا دو اور علیحدہ رہنے کے لئے محل میں جگہ دو اور ہر طرح سے اس کے آرام کا انتظام کر دو"۔ راج بالا رانا کا حکم سن کر اسی وقت شرم سے سر جھکائے ہوئے محل میں داخل ہوئی۔ رانی نے بہت سے زیور اور کپڑے اس کے پہننے کے لئے اتار دیئے۔ جب وہ اندر چلی گئی۔ رانا نے اجیت سے کہا "میں تیرے باپ دادا کے نام سے واقف ہوں۔ دیکھ مجھے تیرے عہد و پیمان کو جو مجھ سے آج تک اپنی زندگی میں ایسا نہ کی نہیں دیکھا تھا۔ تو ہمیشہ نیند سے رہ دیتا ہے۔ جا اس وقت محل میں

اپنی استری کے ساتھ بات چیت کرے"

رات کے وقت کسی کو نیند نہیں آئی۔ رانا کی مہربانی نے اُن کے مرجھائے دلوں کو شگفتہ کردیا۔ جب صبح کا وقت ہُوا۔ بیس ہزار روپیہ معہ سود سانڈنی کے ساتھ اجیت سنگھ کے حوالہ کیا گیا۔ وہ اسی وقت جلسلمیر کے بانئے کے پاس گیا۔ اور اس کا روپیہ حاضر کیا۔ ایک سال سے اجیت سنگھ کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔ بنیا اپنے روپیوں کی طرف سے مایوس ہوچکا تھا۔ مگر اُس کو رنج نہیں تھا۔ کیونکہ اجیت کے باپ سے اُس نے بہت کچھ وصول کرلیا تھا۔ روپیہ پاکر اس کو سخت تعجب ہُوا۔

روپیہ دیکر وہ اودے پور واپس آیا۔ اور رانا کے پاؤں پر گر پڑا۔ اَن داتا! تمہاری وجہ سے میری لاج رہ گئی!

رانا نے راج بالا کو "پران رکشک دیوی"، کا خطاب دیا اور وہ اودے پور میں اسی نام سے مشہور تھی۔ وہ جب کبھی رانا کے خاص محل میں اُس کے ہینتے ہونے آتی رانا اُس کو "پُتری"، کہکر پکارتا تھا۔ استری پرش دونو اُس کے منظور نظر تھے۔ وہ اس طرح ان کے ساتھ محبّت سے پیش آیا کرتا تھا۔ گویا وہ اُس کے خاص لڑکے تھے۔ ان کے رہنے کے لئے بعد کو نیا محل تعمیر کردیا گیا۔ اور ان کو ایک علیحدہ جاگیر عطا کی گئی +

یہ راج بالا کی زندگی کا مختصر حال ہے۔ یہ کوئی فرضی قصہ نہیں ہے۔ بلکہ اصلی واقعہ ہے نہ اس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ نہ کسی قسم کی آمیزش کی گئی ہے۔ ایک زمانہ تھا جب اس قسم کی پوتر اور پاک آتمائیں اس دیش میں پیدا ہوتی تھیں۔ اُن کی سچی پرتگیا کرنے کا یہ ڈھنگ تھا۔ آج کیا کیفیت ہے؟ اِ ع دل کو توجانے دیجئے جو مذہبی اور روحانی لیڈر کہلانے کے دعویدار ہیں جو لیڈر کے لفظ پر جان دیتے ہیں۔

صبح سے شام تک اپنی باتیں سناتے رہتے ہیں۔ نہ اِن کو اپنے قول کا پاس ہے۔ نہ عہد کا خیال ہے۔ سفلی جذبات کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ یہ نمونہ ہیں۔ ہماری قومی سچائی کے!

پرماتما ہم پر دیا کر۔ ہم میں ایسی آتمائیں پھر پیدا ہوں۔ جو اس قصہ کے اجیت اور راج بالا کی طرح سچائی کے لئے جان تک دینے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔

راج بالا تیرا ساہس دھنیہ تھا۔ دیوی! ایشور کریں۔ ہماری بہنیں تیرا چرتر پڑھ کر اور سُن کر سچ مارگ کو گرہن کریں۔ کیونکہ سچ سے بڑھ کر اور کوئی راہ نہیں ہے!

۸ - مُکتا

(۱) سورا نام دھرائے کر۔ اب کیوں ڈرپے بیر
منڈ رہنا میدان میں۔ سنمکھ سہنا تیر

(۲) سورا نام دھرائے کر۔ ڈر سوں پیٹھ نہ پھیر
رن بھومی میں مٹ رہے۔ کروسے بیری ڈھیر

(۳) سورا نام دھرائے کر کر نہیں جیون آس
سر صاحب کو سونپ کر۔ کر ست لوک نواس

(۴) سادھ سنتی اور سورماں۔ گیانی اور گج دنتنہ
پاچھے اب ہوں نا پھرے۔ جو جگ جائے انت

(۵) سادھ سنتی اور سورماں ان کی مست ہی پور
جیہ ہُلسے ہردا اسکی۔ مکھ چڑھے بر سست نور

(۶) سادھ سنتی اور سورماں۔ لڑیں دھنی کے ہیت

تار تار ٹکڑے ٹکڑے ہوئے رہیں رتب ہوں نہ چھاڑیں کھیت

(۷) لوہے سے لوہا بجے۔ کھڑکھڑ بجے زنجیر سر کے زرہ بکتر
سسنکھ کال کہا کریں۔ جب رن چڑھا کبیر کے کیا

امر سنگھ چوہان چتوڑ کے راجہ کا ماموں تھا۔ مکتا اسی امر سنگھ کی لڑکی تھی۔ امر سنگھ اپنے خاندان کے ساتھ چتوڑ میں رہتا تھا۔ مکتا بڑی خوبصورت اور چنچل لڑکی تھی۔ باپ نے اُس کے پیار کا نام موتی رکھا تھا۔ مکتا اور موتی قریب قریب ہم معنی لفظ ہیں اور اس میں شک نہیں اس بہادر اور دلیر استری میں اسی قسم کی آب و تاب تھی جو لوگ موتی اور مکتا سے منسوب کرتے ہیں۔ سارا راجستھان اُس کے حسن کی تعریف سے گونج رہا تھا۔ اس کی ماں کنک وتی کہلاتی تھی۔ جب تک ماں جیتی رہی۔ وہ اپنی ماں کی آنکھوں کی تارا بنی ہوئی تھی۔ جب اس کا دیہانت ہو گیا باپ نے اپنی گود میں لڑکی کو پالا۔ اور چونکہ وہ ہمیشہ باپ کے ساتھ رہتی تھی اس میں خود بخود کشتری پن کے تمام اوصاف پیدا ہو گئے۔ تلوار باندھنا شکار مارنا گھوڑے پر سواری کرنا۔ چوگان کھیلنا اور آواز سنکر تیر چلانا اس لڑکی کے تفریح کے مشاغل سمجھے جاتے تھے۔ ان کے سوا اس کی عقل بھی بہت تیز تھی اور وہ دھرم کرم کے معاملات کو خوب سمجھتی تھی۔ باپ لڑکی کی لیاقت کو دیکھکر خوش ہوتا تھا اور ہر قسم کے معاملات میں اس کی صلاح لینا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اور اس وقت تک کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ جب تک مکتا بائی اپنی رائے نہیں سناتی تھی۔

کیسری سنگھ چتوڑ کے راجہ کا چچازاد بھائی اس امر سنگھ کا جانی دشمن ہو گیا تھا۔ یہ نہیں معلوم۔ یہ کیوں ایک دوسرے کے حریف بن گئے تھے مگر اس میں شک نہیں ایک دوسرے کی جان کا خواہاں تھا۔ مکتا بائی

اس بات کو جانتی تھی۔ مگر اپنے باپ کے خیال کی تعظیم کی وجہ سے اُس نے کبھی اس کو اس معاملہ میں خاص کر کوئی رائے نہیں دی +

ایک دن کا ذکر ہے۔ مکتا شکاری پوشاک پہنے ہوئے امر سنگھ کے ساتھ شکار کھیلنے گئی ہوئی تھی جنگل بہت گھنا تھا۔ امر سنگھ اور مکتا دونوں نے گھوڑوں کی باگ اُٹھائی۔ اور اُس جگہ پہنچے جہاں شیر بکثرت رہتے تھے یہ بے کھٹکے چلے گئے۔ کیونکہ دونوں کو اپنی تیراندازی اور تیغ زنی پر بھروسہ تھا۔ مگر ایسا اتفاق ہُوا کہ امر سنگھ کا گھوڑا پیچھے رہگیا۔ مکتا آگے بڑھ گئی جنگل کا وہ حصّہ بالخصوص زیادہ سنسان تھا۔ ایک شیر پاس ہی گرج رہا تھا۔ شیر کی آواز سنکر مکتا ایک درخت کے تلے ٹھہر گئی۔ اور ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ کمان کندھے سے لگی ہوئی تھی اس کا ارادہ تھا کہ شیر کو دیکھکر اپنے تیر کا نشانہ بنائے۔ مگر اس کو کندھے سے میان اتارنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کہ شیر تڑپتا ہُوا اُسکے اوپر آگیا اور اُچھل کر گھوڑے کے سر پر پنجہ مارا۔ گھوڑا تو وہیں اسی وقت ختم ہوگیا مکتا نے کود کر شیر کی گردن پر تلوار چلائی۔ شیر الگ جا گرا۔ مگر گرجتا ہُوا پھر مکتا کے اوپر چھلانگ مارنے کی تیاری کر رہا تھا۔ ایشور جانے مکتا کا کیا حال ہوتا کہ اتنے میں ایک راجپوت گھوڑا دوڑاتا ہُوا اس طرف سے آنکلا اور مکتا کی حالت دیکھکر جھٹ پٹ گھوڑے سے نیچے کود پڑا اور گھوڑا اس راجپوتنی کی سواری کے لئے دے کر آپ شیر کے مقابل جا کھڑا ہُوا۔ راجپوت بھی بلا کا منچلا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ شیر چھلانگ مارنے ہی کو تھا کہ اس نے اس پر تلوار چلائی۔ اور اپنی سمجھ میں اس کو بیکام کر کے جلدی کے ساتھ جھاڑیوں میں چھپ رہا +

مکتا کو حیرت ہوئی۔ اور وہ اس جان بچانے والے جوانمرد کی ہمت

پر عشق کرنے لگی۔ گو اس نے راجپوت کو اچھی طرح نہیں دیکھا تھا اور یہ واقعہ بھی اتنی جلدی کا تھا کہ کسی کو غور کرنے کا موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔ مگر اس نے ایک نظر اس کی صورت کو دیکھ لیا۔ عورتوں کی نگاہ میں بجلی میں سے زیادہ تیزی ہوتی ہے۔ راجپوت کی ادا اور اس کی صورت مکتا کی آنکھوں میں کھب گئی۔ اس کی پگڑی کی قلغی ہوا میں پھر رہی تھی اس سے مکتا نے سمجھا۔ وہ کوئی شریف اور مقتدر راجپوت ہے۔ گھوڑا اور اس کا خوبصورت ساز و سامان بھی خود بتا رہا تھا کہ وہ معمولی آدمی نہیں تھا۔

راجپوت تو جھاڑی میں جا چھپا۔ شیر بُری طرح سے زخمی تھا۔ اب تیسری دفعہ وہ پھر اُچھلنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مکتا نے اس کی حرکت دیکھکر تلوار کے صدمے سے اس کو ہمیشہ کے لئے نکما کر دیا۔ اور آپ کھڑی ہو کر غور کرنے لگی۔ اتنے میں امر سنگھ خود گھوڑے کو دوڑاتا ہوا وہاں آ پہنچا۔ جب اُس نے دیکھا کہ ایک طرف مکتا کا گھوڑا پڑا ہے اور دوسری طرف شیر سسک سسک کر مر رہا ہے۔ اس کو حیرت ہوئی۔ شیر بہت خوفناک تھا۔ اُس نے سمجھا مکتا کے گھوڑے کو مردہ دیکھ کر کوئی شخص اپنا گھوڑا اس کو دے گیا ہے۔ اُس نے لڑکی سے کوئی سوال نہیں کیا اور نہ مکتا ہی بتا سکیگی کہ اس کو گھوڑا دینے والا کون شخص تھا۔ امر سنگھ نے جھٹ پٹ لوٹنے کی تیاری کی اور مکتا بھی اس کے پیچھے پیچھے اُسی دم باز گھوڑے پر چڑھی ہوئی شہر کو واپس آئی۔ یہاں آکر لڑکی نے باپ سے سارا قصہ حرف بہ حرف سنا دیا۔ امر سنگھ کو معلوم ہو گیا کہ لڑکی کی جان بچانے والا کون شخص تھا۔ مگر اُس نے عمداً اپنی زبان روک رکھی اور اس دن سے پھر اس

معاملہ میں انکے درمیان کسی قسم کی بات چیت نہیں ہوئی +

امرسنگھ کے دل میں اپنے دشمن کیسری سنگھ کی مخالفت کی آگ روز بروز بڑھتی گئی۔ کیسری سنگھ بھی خود اُس کی تاک میں لگا رہتا تھا وہ زمانہ بھی آجکل سے زیادہ وہم پرستی کا زمانہ تھا۔ ہندو مارن اچاٹن وغیرہ منتروں پر یقین رکھتے تھے اور نادانی کے دام میں پھنس کر اکثر جنتر منتر کے سادھن میں لگے رہتے تھے۔ جہاں اور کسی قسم کا بس نہیں چلتا تھا۔ وہاں کسی تانترک پنڈت کو بلا کر پرشچرن کراتے یا اور طرح کی ایسی تدبیر عمل میں لاتے تھے۔ امرسنگھ میں کیسری سنگھ کے مقابلہ کی طاقت نہیں تھی اس لئے جب کالی چودس کا دن آیا۔ آدھی رات کے وقت یہ شمشان بھومی میں منتر سدھ کرنے چلا تاکہ اس کی مدد سے دشمن پر غلبہ حاصل کرے اس نادانی کا بھی کہیں ٹھکانا ہے! مگر وشواش بھی دنیا میں عجیب چیز ہے۔ جب سب سو گئے۔ وہ بے پاؤں اُٹھا اور جہاں مردے جلائے جاتے تھے۔ وہاں بے خوفی سے چلا گیا۔ وہاں ایک اور آدمی ملا۔ جو اس سے پہلے اسی ارادہ سے گیا ہوا تھا۔ امرسنگھ کو دیکھ کر اس کو سخت غصہ آیا۔ وہ مردہ کے سینہ پر بیٹھا ہوا منتر پڑھ رہا تھا۔ امرسنگھ کا وہاں پہنچنا تھا کہ اُس نے اپنے کریا کو بھنگ ہوتا ہوا دیکھکر اس پر جھپٹا۔ "نالائق! تیری وجہ سے میرا کام بگڑ گیا۔ میں ابھی تجھکو ہلاک کر کے تیری لاش پر بیٹھ کر پھر منتر سدھ کرونگا" دونوں میں گتھم گتھا ہونے لگی۔ امرسنگھ ڈر گیا۔ ضعیف الاعتقاد آدمی اپنے لئے آپ بلائیں پیدا کرنے لگتے ہیں۔ دوسرے آدمی نے اس کو اس طرح زور سے گردنیاں دیں کہ یہ سنبھل نہ سکا زمین پر آرہا وہ اس کی چھاتی پر بیٹھ کر چاہتا تھا کہ کمر سے چھری نکال کر اس کو ختم کر دے استے میں ایک دلیر راجپوت گھوڑا ادھر لاتا ہوا وہیں آ پہنچا اور آگ کی

روشنی میں امر سنگھ کی حالت دیکھکر زین سے نیچے آرہا اور قاتل کے ہاتھ کی چھڑی چھین کر بعد تمام اس کو الگ کر دیا۔ اور امر سنگھ کو اُٹھا کر اس کی شکل کو دیکھکر کہنے لگا "امر سنگھ! شمشان بھومی تمہارے رہنے کی جگہ نہیں یہاں چنڈال اور اگھوری رہتے ہیں۔ اُٹھو محل میں جاؤ۔ یہ تلوار میں اس واسطے تم کو دیتا ہوں کہ راہ میں کوئی شخص پھر تم پر حملہ نہ کر سکے۔

امر سنگھ سے گفتگو کرنے کے بعد جب وہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس کی نگاہ ایک حسین عورت پر پڑی جو ہاتھ میں چمکتی ہوئی تلوار لئے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر آرہی تھی۔ اُس کی تلوار اس طرح لپلپا رہی تھی۔ امر سنگھ کی لڑکی ملتا تھی وہ اپنے باپ کی حرکات پر ہمیشہ نظر رکھتی تھی۔ جب اس نے آدھی رات کے وقت اُس کو جاتے ہوئے دیکھا خود پیچھے پیچھے چلی آئی تاکہ ضرورت کے وقت اُس کی مدد کر سکے۔

نوجوان سوار اس کو دیکھکر راہ کتراتا ہؤا نکل گیا۔ ملتا بھی تھوڑی دور اسکے پیچھے چلی اور للکار کر کہا "شریف راجپوت! کیا تم میں اتنا صبر نہیں ہے کہ مجھ کو احسان مندی ظاہر کرنے کا موقع دے سکو؟" راجپوت وہاں ہی کھڑا ہو گیا۔ ملتا اس کے قریب جا کر کہنے لگی "تم نے دو مرتبہ ہم پر احسان کیا۔ ایک دفعہ جنگل میں موذی شیر کے پنجہ سے میری جان بچائی۔ آج میرا باپ مارا گیا ہوتا۔ تمہاری طفیل سے اُس کی جان بچی اس کا بدلہ تو میں کسی طرح تم کو نہیں دے سکتی لیکن تم بطور شکریہ میری انگوٹھی لو۔ میں تمہاری قرضدار ہوں۔ تم خوش نصیب ہو۔ کون جانے میں کبھی تمہارے کام آسکونگی یا نہیں۔ اس کا فیصلہ قسمت کے ہاتھ۔ اگر کبھی لڑائی کا موقع ہو تو اس کی مدد سے تم مجھ کو اپنی مدد کیلئے بلا سکتے ہو"!

راجپوت نے بلا تامل انگوٹھی کو ہاتھ میں لے لیا اور بطور تعظیم اُس کو اپنی پیشانی پر

رکھا۔ اس کی حرکت نے مکتا کے دل میں بڑی عزت پیدا کی۔

راجپوت زبان سے کچھ نہ بولا۔ امر سنگھ اپنی لڑکی کی آواز سنکر اس طرف آیا اتنے میں وہ تیسرا شخص دیکھتے دیکھتے نظر سے اوجھل ہو گیا۔ اسکو ظاہرا بات چیت کرنے میں عار تھا۔ اس لئے امر سنگھ کو دیکھتے ہی اس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ یہ جا وہ جا۔ نظر سے غائب ہو گیا +

لڑکی اور باپ دونو چپ چاپ محل میں داخل ہوئے۔ چراغ کی روشنی میں امر نے تلوار کے پھل کو دیکھا۔ اس پر موٹے حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔ یہ وہ تلوار ہے جو شیر کا خون پیتی ہے۔ امر سنگھ نے اس کو اسی وقت ہاتھ سے پھینک دیا اور جب مکتا نے وہ لفظ پڑھے۔ وہ سمجھ گئی کہ اس غرض سے یہ تلوار اس نے باپ کو دی گئی ہے اور اس یاد دہانی سے کیا مطلب ہے۔ مگر وہ اپنے باپ کی مزاج کو پہچانتی تھی اس نے ایک گہری سانس لی۔ اور اپنے جذبہ کو ضبط کر لیا۔

کیسری سنگھ چوہان اور امر سنگھ راٹھور دونو چتوڑ کی فوج کے معزز افسر تھے امر سنگھ اب تک راج کی خدمات انجام دیا کرتا تھا۔ لیکن کیسری سنگھ اس سے علیحدہ ہو چکا تھا۔ اور اس کی جگہ اس کا لائق لڑکا کام کرتا تھا۔

کیسری سنگھ بیشتر اپنی جاگیر میں رہتا تھا۔ صرف کبھی کبھی وہ تفریح یا تعلقات کی وجہ سے چتوڑ آجایا کرتا تھا۔ اس کا لڑکا یدھ سنگھ بڑا با تمیز۔ نیک بخت اور الفاظ پسند تھا۔ رانا اس کو دل سے چاہتا تھا۔ اور اس کی دلیری اور جوانمردی کا اقرار بھی کیا کرتا تھا اس نے یدھ سنگھ کو اکثر فکر میں محو پایا۔ اور اپنے سرداروں کی حالت دیکھ کر کبھی کبھی رانا کو فکر ہو جاتی تھی۔ وہ چاہتا تھا کسی طرح کیسری سنگھ اور امر سنگھ کی ان بن دور ہو جائے۔ موقع ہاتھ نہیں آتا تھا۔ اور چونکہ لوگوں کے خانگی معاملات میں خواہ مخواہ دخل دینا

راج دھرم کے برخلاف ہے وہ دم بخود رہتا تھا۔ اس کے دل میں کئی مرتبہ خیال آیا کہ مکتا کی شادی بدھ سنگھ کے ساتھ کردی جائے۔ کیا عجب اس قرابت کی وجہ سے اُن کی دُشمنی دُور ہو جائے۔ مگر کیسری۔ اور امر کی ناخوشگوار حالت نے اس کو کبھی اسکے کہنے سننے کا موقعہ نہیں دیا۔ مکتا بدھ سنگھ بھی دل سے اس پر عاشق تھا مگر جہاں بزرگوں میں ایسی دُشمنی ٹھنی ہو۔ وہاں اولاد کو خاموشی کے سوا اور کیا چارہ ہوتا ہے۔ وہ دل ہی دل میں ایک دوسرے کے لئے کڑھتے تھے۔ مگر کچھ کہہ نہیں سکتے تھے +

کیسری سنگھ ایک مرتبہ جب اپنے علاقہ سے واپس آیا۔ اُس کو خبر دی گئی کہ امر سنگھ اس کے مارنے کے لئے پرشچرن کرا رہا ہے۔ اور شمشان بھومی میں جا کر منتر سدھ کرنا چاہتا تھا۔ کیسری کے مزاج میں سخت غصہ تھا۔ اس خبر نے اس کے دل میں آگ لگادی وہ غصہ کو ضبط نہ کر سکا اور کسی تدبیر سے امر سنگھ کے محل میں آگ لگوادی تاکہ وہ اندر ہی اندر معہ اپنے خاندان کے جل کر بھسم ہو جائے۔ جب مکان میں آگ لگائی گئی۔ امر سنگھ اور مکتا جاگتے تھے۔ جلدی جلدی سب کو جگایا کسی کی جان ضائع نہیں ہوئی۔ مگر سارا مال و اسباب جل کر خاک ہو گیا +

امر سنگھ کا محل بہت اونچا تھا جب آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ رانا نے سمجھا۔ امر سنگھ اور مکتا دو جل گئے ہونگے۔ اس کو کیسری پر سخت غصہ آیا۔ اور اس حرکت کی سزا دینے کا پورا پورا ارادہ کر لیا۔ اُس نے بدھ سنگھ کو اسی وقت بلا بھیجا۔ اور کہنے لگا "نوجوان راٹھور! یہ کیا حرکت ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ میرے دیکھتے دیکھتے راجدھانی میں یہ اندھیر ہو رہا ہے۔ اور ایک معزز افسر کی یہ درگت بنائی جا رہی ہے۔ چراغ کے

تلے اندھیرا۔ تو بتا تیری کیا رائے ہے کیا کرنا چاہیئے"؟ یدھ سنگھ نے جواب دیا "ان داتا آپ جانتے ہو۔ میں کیسا بے بس ہوں۔ مجھ سے آپ کیا پوچھتے ہو؟ جو جی میں آوے ویسا کیجئے۔ یہ جان و مال سب آپ کا ہے۔ میں کیا کروں مجبور ہوں"۔ یہ کہہ کر راناکو سلام کرکے وہ چلا گیا۔

مکتا نے دیکھا۔ کیسری سنگھ نے اسکے باپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جو انسان کبھی انسان کے ساتھ نہیں کرتا ہے۔ اسی وقت وہ گھوڑے پر سوار ہوئی۔ باپ سمجھ گیا وہ کیا کرنا چاہتی ہے! اس نے اپنے آدمی اکٹھا کئے کیسری سنگھ کو لمحہ لمحہ کی خبر ملتی تھی۔ وہ بھی تیار ہو کر آگیا۔ امر سنگھ کو زندہ پا کر وہ اپنے آپے سے جاتا رہا۔ تلوار لیکر چل پڑا۔ امر سنگھ کی ڈھال کٹ گئی۔ سر پر سخت چوٹ لگی وہ نیم جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اور اگر مکتا اُس کی مدد پر نہ آگئی ہوتی تو اسی کا کام تمام ہو گیا ہوتا۔ مکتا تلوار چمکاتی ہوئی کیسری سنگھ کے سامنے آئی۔ وہ اسکی شکل دیکھکر سہم گیا۔ اس نے کیسری سنگھ کے دیکھتے دیکھتے قریب قریب اُسکے تمام رشتہ داروں کو خاک و خون میں ملا دیا۔ جدھر جھکی پرے کے پرے صاف ہو گئے کیسری سنگھ کا حوصلہ پست ہو گیا۔ اُس نے سمجھا یہ کوئی عجیب قسم کی دیوی ہے۔ جو امر سنگھ کی طرف سے لڑ رہی ہے۔ اُس کے کئی عزیز مر چکے تھے۔ وہ دل میں ڈرا کہیں ایسا نہ ہو یدھ سنگھ کے ساتھ اس کی مڈھ بھیڑ ہو جائے اور وہ ناحق مارا جائے +

گو مکتا کی مدد نے کیسری سنگھ کو امر سنگھ پر دوسرا وار کرنے کا موقعہ نہیں دیا۔ مگر امر سنگھ کے مرنے میں کچھ کسر نہیں رہ گئی تھی۔ ساتھیوں نے اس کو ایک جگہ لیجا کر لٹا دیا تھا جہاں وہ لیٹا ہوا جان کندنی کی حالت میں تھا۔ جب مکتا نے اپنے باپ کی حالت دیکھی اسکا خون اُبلنے لگا

اوروں کو چھوڑ کر وہ کیسری سنگھ کے مقابلہ میں آپہنچی ”بدلہ لینے والا بوڑھا!
آ میرے سامنے آکر اپنا منہ دکھا میں موت کی شکل بن کر تجھ کو تلاش کر رہی ہوں“
یہ کہکر اس نے کیسری سنگھ پر تلوار چلائی وہ ہوشیار اور تجربہ کار سپاہی تھا اس
کی زور سے بچ نکلا یہ پھر بجلی کی طرح اس پر گری ”تو موت سے بچ کر کہاں جاتا
ہے۔ اگر تیرے ہزار سر ہو جائیں تب بھی میں اس ایک تلوار سے کاٹ دونگی
اگر تو ہزار ہاتھ والا بن جائے تب بھی میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا۔ تونے سمجھ
لیا تھا۔ کہ محل کے جلا دینے سے ہم سب مر جائینگے۔ ناداں! تو نے ناحق
اپنا نام کیسری رکھا“ یہ کہکر اس نے تلوار چلانا شروع کیا۔ کیسری ہمیشہ
بچنا چاہتا تھا۔ یہ اسی وقت دوسری طرف سے اس پر وار کرتی تھی۔ مکتا
مجسم طوفان تھی۔ اس کی چال ہوا کے جھونکے تھے۔ اس کی تلوار کی چمک
بجلی کا کوندھا تھا۔ اور جب وہ تلوار کا ضرب لگاتی تھی بادل کے گرج
کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ کیسری سنگھ نے کتنی لڑائیاں لڑی تھیں کتنے بہادروں
کو مغلوب کیا تھا۔ مگر آج تک اپنے دلیر و چالاک دشمن سے مقابلہ نہیں
پڑا تھا۔ اس کی ڈھال پاش پاش ہوگئی۔ وہ حیرت میں تھا۔ کس طرح
جان بچاوے۔ اتنے میں آخری دفعہ مکتا اچھلی اور اس کی تلوار
کیسری سنگھ کے سر پر اس طرح گری جیسے جنگل کے بڑے درخت
پر بجلی گرتی ہے۔ اور اس نے اس کو دو ٹکڑے کر دیا۔ جس وقت
کیسری سنگھ زمین پر گرا امر سنگھ اس کو دیکھکر خوشی سے اچھل پڑا
”شاباش بیٹی! شاباش!! تو نے اس وقت جو کام کیا ہے۔ وہ بیٹوں
سے نہیں ہو سکتا۔ اب میں خوشی سے مرتا ہوں“ مکتا اپنے
باپ کی طرف جھکی مگر لڑکی کے آنے سے پہلے اس نے

پران تیاگ دیئے۔

رانا کو اس لڑائی کی خبر دی گئی۔ اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ دونوں رقیب دنیا سے چل بسے ہیں۔ اس نے سوچا کیسری سنگھ زخمی ہوگا۔ اُٹھا لانا چاہیئے شاہی فوج انتظاماً اس موقع پر آئی۔ اور رام سنگھ کا محل گھیر لیا گیا محل تو جل رہا تھا۔ ایک طرف آگ اپنا کام کر رہی تھی۔ دوسری طرف مکتا مخالف گروہ کی بربادی میں مصروف تھی۔ شاہی فوج کو دیکھ کر اس نے سمجھا دشمن کی مدد کیلئے فوج آئی ہے۔ محل کے پھاٹک پر بیٹھ کر اُس نے غلطی میں پڑ کر تیر برسانا شروع کئے کتنے آدمی زخمی ہوگئے کتنے مارے گئے۔ آخر یہ کیفیت ہوئی کہ دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ امر سنگھ کے آدمی دل کھول کر لڑے۔ مکتا سر سے پاؤں تک خون میں تربتر ہوگئی۔ مگر ایک لمحہ کیلئے بھی اُس نے کمان کو آرام نہیں لینے دیا۔ مہاراجہ کے آدمی زیادہ تعداد میں نہیں آئے تھے۔ اس کی دلیری دیکھ کر سب حیرت میں آگئے اور ڈر سے کانپنے لگے۔ رانا نے اس کو زندہ دیکھ تعجب کیا۔ وہ سمجھتا تھا مکتا آگ سے جانبر نہیں ہوئی ہوگی۔ آخر بڑی دقت کے ساتھ کسی تدبیر سے اس دیوی کے ذہن نشین کیا گیا کہ کسی کو اس کے ساتھ لڑائی مقصود نہیں تھی۔ اور تب جا کر اس نے کمان کو نیچے رکھ دیا۔ مگر اس وقت تک شاہی فوج کے آدمی قریب قریب سب کام آ چکے تھے۔

جب یہ لڑائی جھگڑا ختم ہو چکا۔ اس نے آدمیوں کو حکم دیا تین چتائیں تیار کرو۔ ایک پر کیسری سنگھ دوسرے پر امر سنگھ کی لاش رکھی گئی۔ اور تیسری چتا پر لکڑیوں کا کافی انبار اکٹھا کیا گیا۔ مکتا نے خود اپنے ہاتھ سے ان لاشوں کو چتا پر رکھا۔ اور خود عزت کے ساتھ آگ

دی۔ اور جب وہ جلنے لگیں۔ تیسری چتا کو بھی آگ دی گئی اس کے بعد اس نے پہلے دو چتاؤں کا پرکرما کر کے پھر خود اس آخری جلتی ہوئی چتا میں کود پڑی ابھی اس کے جسم میں آگ نہیں لگی تھی کہ یدھ سنگھ چتا کے سامنے آ پہنچا۔ مکتا بولی شیر دل راجپوت! خوب ہوا۔ تو میرے سامنے نہیں آیا۔ دیکھ وہ میرے باپ کی لاش جل رہی ہے۔ ساتھ ہی دوسری میرے سسر کی چتا جل رہی ہے۔ تو نے میری اور میرے باپ کی جانیں بچائیں۔ تیرے باپ نے میرے باپ کی جان لی۔ میں نے اُس کا بدلہ لیا۔ کشتری دھرم کٹھن ہے۔ اسکے سوا کوئی علاج نہیں تھا۔ میں تیری قرضدار ہوں آخر دم تک تجھ کو نہیں بھولی ہوں۔ اور اگر میرا ستیہ سنکلپ ہے تو آگ میں پوتر ہو کر پھر تجھ سے ملونگی۔ یہ کہکر اس دلیر استری نے یدھ سنگھ کو پرنام کیا دوسرے لمحہ میں آگ کے شعلے اس کے جسم سے لپٹنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد اس کا جسم جل کر خاک ہو گیا +

جس وقت مکتا جل رہی تھی۔ یدھ سنگھ کی آنکھ سے آنسو جاری تھے جب سب کچھ ہو گیا اور آگ نے ہر چہار طرف اپنی بربادی کا کام ختم کر دیا وہ اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر آ رہا۔ اور سب کی نظروں سے غائب ہو گیا اور پھر کسی نے اس کی شکل نہیں دیکھی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ وہ کہاں گیا اور پھر اس کا انجام کیا ہوا کسی کا خیال تھا اس نے فقیرانہ وضع میں اپنے آپ کو گم کر دیا کوئی کہتا تھا۔ اُس نے خودکشی کی ہزار منہ ہزار باتیں لیکن سچ یہ ہے۔ کسی کو اس کا آج تک پتہ نہیں لگا +

۹۔ اِچھن کماری

شورا سوئی سراہئے[1] لڑے دھنی کے ہیت
گھاؤ سہے چھاتی وہے۔ تو نہ چھانڈے کھیت
سادھو۔ ستی اور شورما۔ ان سم کوئی نا نہہ
اگم پنتھ میں پگ دھریں۔ موت دیکھ مگتا نہہ[2]
کایر[3] مکھ نہیں دیکھئے۔ درشن کیجے شور
شانت چت۔ آنند من۔ مکھڑا برسے نور
رن میں۔ تپ میں۔ پریم میں۔ کایر کا کیا کام
سادھو۔ ستی اور سورما۔ سوھیں بیچ سنگرام
کبیر سو آرام کا۔ سر بن کبھوں نہ ہوئے
بات بنائی۔ جگ ٹھگا۔ وہ تو سادھ نہ ہوئے

جیتسی پرمار چندراوتی نگری کا راجہ تھا۔ اچھن کماری اس کی لڑکی تھی۔ یہ اتنی خوبصورت تھی کہ اسکے حسن کی ہر چہار طرف دھوم مچی تھی۔ عقیل نیک دھرماتما دلیر۔ تیجسوی کون سے اوصاف تھے۔ جو اچھن کماری میں نہیں تھے۔ جب یہ عمر کی چھوٹی تھی۔ ایک دن ہنستے ہنستے باپ نے پوچھا "بیٹی! تیری شادی کس سے کریں"؟ اس زمانہ میں سومیشور چوہان اجمیر نریش کا راجکمار پرتھوی راج اپنی دلیری و شجاعت کے لئے مشہور تھا۔ اچھن نے کہا "میں تو اجمیر کے راجکمار[3] سے شادی کرونگی"۔ جیتسی مسکرایا۔ "اچھا۔ بہت

۱ تعریف کیجئے ۲ خوش ہوں ۳ بزدل۔

اچھا اسی کے ساتھ تیری شادی ہو گی لیکن جو اُس نے نامنظور کیا تو کیا ہوگا" اچھن بولی "کیا کوئی راج کمار کسی راج پتری کی بات ٹال سکتا ہے۔ اگر شادی نہ ہوئی تو پھر کیا۔ میں ساری عمر کنواری رہونگی" جیتسی نے بلا تامل اسی وقت پرتھی راج کے پاس ناریل بھجوایا۔ بھاٹ نے اس سے جاکر کہا "اچھن کماری کی خواہش ہے تمہاری پٹ رانی بنے وہ اور کسی راجپوت سے شادی نہیں کرنا چاہتی" سومیشور نے جیتسی کی درخواست منظور کی اور اچھن کی منگنی پرتھی راج کے ساتھ کر دی گئی۔ عمر چھوٹی تھی اس لئے شادی کا رسم ادا کرنا ضروری نہ سمجھا گیا۔

جس زمانہ کا یہ ذکر ہے۔ اُس وقت گجرات کا راجہ بھولا بھیم دیو اپنی دلیری دولت اور عزت کیلئے راجاؤں میں ممتاز تھا۔ اس کی راجدھانی انھلواڑہ پاٹن تھی اس نے افواہاً سن رکھا تھا کہ اچھن کماری سے زیادہ خوبصورت کوئی لڑکی نہیں ہے خفیہ طور پر اُس نے اپنے بھاٹیوں کو دریافت حال کے لئے چندراوتی نگری بھیجا تاکہ وہ کسی ڈھب سے اچھن کو دیکھکر اس کا حال سنائیں۔ یہ تھوڑے دنوں بعد واپس آئے۔ بھولا بھیم دیو نے پوچھا "کہو کیا دیکھا؟" بھاٹوں نے سر جھکا کر جواب دیا "مہاراج! کچھ نہ پوچھئے۔ ہم کو آپ نے جسکے دیکھنے کیلئے بھیجا تھا۔ اُسکے رنگ روپ کا بیان نہیں ہو سکتا۔ چاند اس کی خوبصورتی کے لئے شرما جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں کو دیکھکر کنول اپنی پنکھڑیاں سمیٹ لیتا ہے۔ ایسی خوبصورت اور نیک لڑکی کوئی بھی دنیا کی سطح پر نہیں ہے۔ وہ سچ مچ لاثانی ہے اور اس قابل ہے کہ آپکے رنواس کو زینت دے" بھیم دیو دل میں خوش ہوا اُس نے اپنے وزیر امر سنگھ[1] نامی جینی کو جس

[1] کہیں کہیں اس امر سنگھ کو وکرمادیتہ کا درباری نورتن کہا گیا ہے اور بولا جاتا ہے (بقیہ صفحہ ۱۴۹)

نے امرکوش بنائی ہے جیتسی پرمار کے پاس بطور سفارت روانہ کیا جیتسی نے عزت و تکریم کیساتھ وزیر کا استقبال کیا۔ ودربار میں اُسی دن اُس کو حاضر ہونے کا موقعہ دیا امرسنگھ نے کہا "مہاراج! گجرات نریش چاہتا ہے۔ آپ اس کو اپنی فرزندی کی عزت بخشیں" جیتسی سمجھ گیا۔ وہ کہنے لگا۔ بھیم دیو کے ساتھ قرابت کرنے میں ہمارے خاندان کی عزت ہے۔ مگر افسوس ہے۔ اچھن کماری کی منگنی چوہان راجکمار کے ساتھ ہو چکی ہے مجبوری ہے اب میں کیا کرسکتا ہوں" امرسنگھ نے جواب دیا "راجن ایسا نہ ہو اس انکار کا نتیجہ کشت و خون ہو اور چندراوتی کی بربادی کا وقت آجائے۔ اور ناحق کی لڑائی ہو پڑے" جیتسی بولا "میں تم کو اس کا کیا جواب دوں۔ تم بھیم دیو کو جاکر کہدو کہ ایک جگہ جب لڑکی کی نسبت ہو چکی ہے۔ تو پھر دوسری جگہ کیسے کی جا سکتی ہے۔ بات تو نہیں بدلی جا سکتی۔ اگر ان سنبھی سے کوئی مخالفت پر کمربستہ ہو جائے۔ تو آخر ہم بھی راجپوت ہیں۔ ہمارے ہاتھ میں چوڑیاں نہیں ہیں۔ ہم بھی تلوار چلانا جانتے ہیں۔ ہم اپنی حفاظت کرلینگے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ کسی طرح کا انیاؤ ہو۔ تمہارے پیغام کا مختصر جواب یہ ہے کہ پرمار کی لڑکی کی نسبت ایک جگہ ہو چکی ہے۔ ہم کسیطرح اپنے عہد کو نہیں توڑینگے۔ اور نہ بات میں فرق آنے دینگے"

امرسنگھ کی آنکھیں غصہ سے لال ہو گئیں۔ مگر اس کا جواب دینے کا موقع کہاں تھا! وہ اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا۔

جب بھیم دیو نے سُنا کہ اس کی درخواست نامنظور کی گئی۔ اُس نے

بودھوں کی کتابوں میں صرف امرکوش کو شنکراچاریہ نے جان بوجھکر غارت نہیں کیا تھا مگر اور ذریعوں سے یہ بدھ راج کا ہمعصر معلوم ہوتا ہے۔ ایشور جانے کون سچ کون غلط ہے

اسی وقت لڑائی کا اعلان کیا۔ تیاریاں ہونے لگیں۔ نئے رنگروٹ فوج میں کثرت سے بھرتی کئے گئے۔ جیتسی کمزور تھا۔ چندراوتی چھوٹی ریاست تھی اس نے سومیشور والئے اجمیر کو مدد کے لئے بلا بھیجا۔ جس وقت بھیم دیو چندراوتی پر چڑھ آیا۔ اسی وقت سومیشور کو خبر ملی کہ غور کا بادشاہ شہاب الدین کثیر فوج لیکر ہندوستان پر حملہ کرنے کی نیت سے آرہا ہے اور درہ خیبر سے آگے بڑھ آیا ہے۔ ایک طرف ہندوستان کی حفاظت کا خیال دوسری طرف بیٹے کی بہو کی عزت قایم رکھنے کی فکر تھی "گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ آخر غور و فکر کے بعد سومیشور نے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ خاندان کی عزت کا خیال مقدم ہے۔ مگر شہاب الدین کے مقابلہ کی طرف سے بھی وہ غافل نہیں تھا۔ آپ تو فوج لیکر چندراوتی کی کمک پر چلا گیا۔ اور اجمیر میں ہر طرح کی تیاری کرنے کا حکم دے گیا*

پرتھی راج اس وقت دہلی کے صوبہ پر مقرر تھا۔ وہ وہاں کا صوبہ دار تھا۔ اس کو باپ کے چندراوتی جانے کی خبر ملی۔ وہ بیٹھا ہوا اپنے دوستوں کے ساتھ مشورہ کر رہا تھا کہ ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔ اتنے میں ایک مارواڑی برہمن پیش کیا گیا اس نے راجکمار کے ہاتھ میں خریطہ (چٹھی) رکھ دیا۔ پرتھی راج نے خط کو لیکر چند بارد ٹ نامی مصاحب کے ہاتھ میں پڑھنے کو دیا۔ اس نے صلاح دی آپ ہی پڑھو۔ پرتھی راج نے خود خط پڑھ کر سب سے مخاطب ہو کر کہا "دوستو! مہاراج سومیشور جیتسی پرمار کی مدد کے ارادہ سے چندراوتی چلے گئے۔ ایک طرف کی یہ وحشتناک خبر ہے دوسری طرف شہاب الدین غوری حملہ کرنیکی نیت سے آرہا ہے۔ باپ جی کا حکم ہے میں اجمیر کی حفاظت کا کام کروں۔ مگر وقت یہ ہے کہ پرمار شہزادی مجھ کو اپنی حفاظت کیلئے طلب کر رہی ہے۔ یہ لڑکی

میری اپنی استری ہے۔ لڑائی کا باعث بھی وہی ہے جس عبارت میں خط لکھا گیا ہے یہ ہے:۔

کملاوتی[1] کے ویر پُتر!

بھیم دیو والئے گجرات نے چندراوتی پر چڑھائی کردی۔ جو شہر گاؤں قصبے اس کی فوج کی راہ میں پڑے ویران ہوگئے۔ خلقت ظلم کے خوف سے بھاگ گئی۔ میرے باپ میں اسکے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے اب تک اجمیر سے مدد نہیں آئی۔ باپ نے مصلحتاً مجھ کو شہر سے علیحدہ کرکے اچل گڈھ بھیج دیا ہے۔ تاکہ دشمن کے ہاتھ سے محفوظ رہوں۔ اس طرح کی خط وکتابت معیوب سمجھی جاتی ہے۔ مگر ایسا وقت آگیا ہے کہ شرم و حیا کو بالائے طاق رکھنا پڑتا ہے میں تو آپ کی لونڈی ہوچکی ہوں اس میں کوئی شک نہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ میں کس مصیبت میں ہونگی اس لئے اگر آپ مجھ کو اپنا ننگ و ناموس سمجھتے ہو تو میرا حکم ہے۔ تم اگر دہلی میں کھانا کھاؤ تو اچل گڈھ میں آکر پانی پیو۔ اگر موقع پر نہ پہنچے تو پیچھے پھر کیا ہوسکیگا۔

کا برشا جب کرشی سوکھانی
سمے چوک پھر کیا پچھتانی

اچھن کماری }

خط کی عبارت سیدھی سادھی تھی۔ یہ لوگ سنکر پھڑک گئے۔ تھوڑی دیر حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے۔ پھر پرتھی راج نے مخاطب ہو کر کہا۔ بیر پُرشو! اب سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ استری کی مدد پر نہ پہنچنا سخت بزدلی ہوگی۔ کشتری ہزار کام چھوڑ کر استری کی مدد کی طرف متوجہ

---

[1] معلوم ہوتا ہے پہلے زمانہ میں عورتیں کسی مرد کو خط لکھتے وقت اُس کی ماں کے نام سے مخاطب کرتی تھیں۔ کملاوتی پرتھی راج کی ماں تھی ۱۲

ہوتا ہے۔ میں چند اور رام رائے کو لیکر اچل گڑھ جاتا ہوں۔ تم اجمیر میں جا کر اس کی حفاظت کرو۔ ہمارے پاس کافی فوج ہے۔ ہم ملیچھوں کا ہر طرح سے مقابلہ کر سکینگے۔ باقی فوج کا کچھ حصہ دہلی میں رہنے دو تاکہ پنجاب کی سرحد پر دشمن کا مقابلہ کر سکے۔ جب تک تم کوچ کرتے ہوئے اجمیر پہنچو گے میں بھی اچھن کماری کو ساتھ لیکر وہاں آجاؤنگا۔"

یہ کہکر تینوں کشتری اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے گھوڑے کسے کسائے تیار تھے۔ اور جب یہ اچھل کر انکی پیٹھ پر آرہے۔ وہ ہوا سے باتیں کرتے ہوئے اچل گڑھ کی طرف روانہ ہوئے +

پتی کو پیغام بھیجے ہوئے کئی دن گذر گئے۔ مگر نہ برہمن واپس آیا۔ نہ پرتھی راج ہی پہنچا۔ اچھن کماری اچل گڑھ کے قلعہ میں بیٹھی ہوئی وچار کر رہی ہے "افسوس! ہمارا دیس بھی کسطرح غارت ہو رہا ہے۔ وقت تھا سب لوگ مل کر دیس رکشا کا کام کرتے۔ مگر نہیں۔ خود غرضی کے جال میں پھنسے ہوئے۔ ایکدوسرے کی جڑ کھود رہے ہیں۔ دھرم یہ کہتا ہے کہ سب مل کر اپنی حفاظت کریں۔ مگر اس کی کسی کو پرواہ نہیں۔ نادان +

بھیم دیو چند راوتی پر چڑھ آیا ہے۔ اس موذی کو یہ خبر نہیں کہ راجپوتنیوں کی دو دفعہ شادی نہیں ہوتی۔ شادی تو جس کے ساتھ ہونی تھی ہوگئی اب اس لڑائی جھگڑے سے کیا کام ہو سکتا ہے۔ کیا اس لڑائی سے میں اس کے ہاتھ آجاؤنگی ہرام رام! اس نادانی کی بھی کوئی حد ہے! لیکن دیکھئے چوہان آتا ہے یا نہیں۔ کون جانے اس کو میرا پریم بھی ہے؟ محبت کی ابتدا میری طرف سے ہوئی ہے۔ ایسے موقعوں پر مردوں کو نفرت بھی ہوا کرتی ہے خیر جو کچھ ہونا تھا ہوگیا۔ اب فکر کرنے سے کیا حاصل ہے۔ دیکھئے میرے خط کا نتیجہ کیا ہوتا

ہے۔ برھمن بھی اس قدر واقف کار نہیں ہے ؎

دیکھئے کب تک جواب خط سے آنکھیں شاد ہوں
راستہ دیکھا نہیں قاصد بھٹکتا جائے گا "

اچھن کماری رات دن اسی قسم کی باتیں سوچا کرتی تھی۔ ہر وقت اس کو پرتھی راج کا انتظار رہا کرتا تھا۔ رات کو بے خبر سو رہی ہے۔ پنجرے میں طوطے نے پر پھڑپھڑائے وہ چونک کر اٹھ پڑی۔ کیا آنیوالے آگئے؟ مگر آنے والوں کو شاید اس وقت تک خبر بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ برہمن دہلی ذرا دیر سے پہنچا تھا۔ غریب کے دل کو ہر وقت فکر کا سامنا رہتا تھا کسی طرح طبیعت نہیں لگتی تھی۔ یا تو وہ ماں کی آنکھ کی پتلی بنی ہوئی ہمیشہ اسکے ساتھ رہتی تھی۔ یا اب اکیلی تن تنہا ایک جگہ میں قید ہے۔ مانا ساتھ سہیلیاں ہیں۔ تفریح کے سارے سامان موجود ہیں۔ مگر چہل پہل کی جگہ سے یکبارگی تنہائی کے مکان میں آجانا نہایت مکروہ و ناخوشگوار تبدیلی ہے۔ وہ خوش نہیں تھی۔ کبھی کبھی جب بہت بے چین ہوجاتی۔ من کو تسلی دیکر کہنے لگتی۔ پریم کا مارگ بھی کتنا کٹھن ہے۔ انسان کا کھانا سونا تک حرام ہوجاتا ہے وہ کسی طرف کا نہیں رہتا۔ کوئی چیز اسکو سکھ نہیں دیتی ہر وقت رونے سے کام رہتا ہے۔ فکر کی آگ کلیجہ میں دھکتی رہتی ہے۔ اور اگر ایسی حالت نہ ہو تو شاید کوئی سکھ کی اتنی قدر بھی نہ کرے جس کو پریتم ملتا ہے۔ اسی طرح ملتا ہے ؎

کبیر ہنسنا دور کر رونے سے کر چیت
بن روئے کیوں پایئے۔ پریم پیارا میت

دیکھئے۔ اب وہ کب آتے ہیں۔ صبح سے شام تک شام سے صبح تک انتظار رہتا ہے "۔ غرضیکہ اس قسم کے فکر میں وہ اکثر محو رہا کرتی تھی ؎

ایک دن شام کے وقت وہ اُس کوہستانی قلعہ کی بلند عمارت کے ایک

جھروکے کے پاس بیٹھی ہوئی سوچ رہی تھی۔ سامنے ساون بھادوں نامی دو خوبصورت جھرنے بہ رہے تھے۔ سورج کی سُرخی کی وجہ سے آسمان کے بادل سہاونے نظر آ رہے تھے۔ جیوں جیوں سورج ڈوبتا جاتا تھا۔ تیوں تیوں مختلف بادلوں میں طرح طرح کی عجیب صورتیں بن بن کر بگڑتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ پرند بسیرا لینے کے ارادہ سے درختوں کیطرف اُڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ اُن کے شور کی صدا دل کو خوش کرتی تھی۔ چمبیلی۔ بیلا کیتکی۔ جوہی اور موگرا کی خوشبو کی لپٹ سے دماغ معطر ہوتا۔ سیتل۔ مند۔ سوگند ہوا بہ رہی تھی۔ جنگلی درخت ہرے بھرے تھے۔ ان کی سوبھا دیکھکر اچھین کماری کے دل میں طرح طرح کے ترنگ پیدا ہوئے۔ اتنے میں سورج غروب ہوا۔ چاندنی نے کھیت کیا۔ ہر چیز صاف طور پر نظر آنے لگی۔ قدرتی نظارہ نے دوسری شکل اختیار کی۔ راجکماری دیر تک جھروکے میں بیٹھی رہی۔ ساتھ کی سہیلیوں نے کتنا کہا "بائی! اب نیچے اُتر آؤ"، مگر بائی کسی اور دھن میں لگی ہوئی تھی۔ اتنے میں آبو کے اگنی کنڈ کے راستہ کی سمت سے تین شہسوار قلعہ کی طرف آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ یہ کون تھے۔ کماری کا دل دھڑکنے لگا۔ تینوں نوجوان اور ایک عمر کے تھے تینوں شہسواری کے فن میں طاق تھے۔ مگر سب کے جسم ایک طرح کے قد آور نہیں تھے۔ تینوں سر سے پاؤں تک مسلح تھے۔ تینوں کے سروں پر خوبصورت پگڑیاں بندھی تھیں۔ ایک کی پگڑی پر کلغی تھی۔ جس سے کماری نے جانا یہ سب کا سردار ہے۔

وہ سیدھے قلعہ کے پھاٹک پر پہنچے۔ ان کو دیکھکر سب کو خوشی حاصل ہوئی کیونکہ یہ وہی لوگ تھے۔ جن کے بلانے کیلئے قاصد بھیجا گیا تھا۔ سوار گھوڑوں سے نیچے اُترے۔ راجکمار نے اپنا نام بتایا واسس اور واسی چاروں

طرف سے جھکے۔ اُن کی آؤ بھگت ہونے لگی۔ اچھن کماری جھروکے سے ان سب کو دیکھ رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا۔ جب۔ اس کو اپنے پتی کا دیدار نصیب ہوا تھا۔

پرتھی راج نے پوچھا۔ "تمہاری بائی کہاں ہے؟" اچھن کماری ان لفظوں کو سُنکر ہک سی رہ گئی۔ کسی نے اس کے پاؤں زمین پر گاڑ دیئے۔ وہ چاہتی تھی وہاں سے اُٹھ کھڑی ہو مگر جنبش محال تھی۔ داسیوں نے کہا۔ "وہ اوپر بیٹھی ہیں۔ آپ چلے جایئے"

جب اچھن کماری نے دیکھا کہ وہ اوپر آرہے ہیں بہ مشکل تمام وہ نیچے اُتری۔ اور داسیوں کو حکم دیا کہ گرم پانی نہانے کیلئے بھجوا دو۔" حکم کی تعمیل کی گئی۔ سب نے نہا دھو کر کپڑے بدلے اور پھر داسیاں پرتھی راج کو اس جگہ لے آئیں جہاں اچھن کماری بیٹھی تھی۔ وہ سر سے پاؤں تک عرق عرق ہوگئی۔ شرم سے نہ کچھ بول سکتی تھی نہ کچھ کہہ سکتی تھی۔ لونڈیوں نے کہا "بائی! یہ بلائے ہوئے مہمان ہیں! ان کی خاطر داری کرنی چاہیئے" مگر وہ دل ہی دل میں سخت پریشان تھی۔ آخر سہیلیوں نے کہا۔ "مہاراج! ہم لوگ جاتی ہیں۔ آپ بائی سے بات چیت کریں! پرتھی راج نے کہا۔ "جس وقت آپ کا خط پہنچا۔ اسی وقت میں ہاں سے روانہ ہوا تھا۔ اب تو اچھن کماری کو جواب دینا لازم تھا۔ اُس نے مُسکرا کر کہا "آپ بہت دور پہنچے؟ آپکو راہ میں تکلیف ہوئی ہوگی! اسکا باعث یہ آپ کی داسی ہے۔ لیکن بلا دہم کو دیکھکر میری تمام ماندگی دور ہوگئی" اسکے بعد اچھن کماری نے ان سب کے کھانے پینے کا انتظام کیا اور اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا رات کے وقت تینوں مہمان ایک جگہ سوئے +

جس وقت پرتھی راج اچل گڈھ میں تھا۔ اسی وقت چندراوتی نگری

پر حملہ کیا گیا۔ سومیشور وقت پر آپہنچا تھا۔ خوب لڑائی ہو رہی تھی۔ پرمار دلیر اور شجاع تھا۔ اسکی جوانمردی کی نسبت رام رائے شاعر نے ایک دوہا کہا تھا جو یہ ہے +

دہر وچارے۔ بیر وڈے۔ ڈگے پدیت گرمار
رن سے پیچھے کیوں پھرے۔ شور بیر پرمار

رات تو نیند میں ختم ہوئی۔ صبح اچھن کماری اور اسکی دو سہیلیاں گھوڑوں پر سوار ہوئیں۔ تینوں کشتری کبھی اپنے گھوڑوں کی پیٹھ پر آسکے اور جب ان سب نے پرمار کے محل کو دستور کے موافق پرنام کر لیا۔ پرتھی راج ان کو لیکر اجمیر میں داخل ہوا۔ دل میں تو آیا کہ چندراوتی میں چل کر ذرا بھیم دیو سے ساتھ زور آزمائی کیجئے۔ مگر پھر مصلحت اسی میں معلوم ہوئی کہ اجمیر چلنا چاہیئے۔ باپ کا حکم بھی تھا۔ کہ اجمیر نہیں چھوڑنا چاہیئے +

اچھن کماری کو محل میں داخل کر کے پرتھی راج نے اپنی فوج کا معائنہ کیا۔ اور پھر شہاب الدین کے مقابلہ میں فوج کشی کا حکم دیا۔ تلاوڑی کے میدان میں دونوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی جس میں پرتھی راج کو فتح حاصل ہوئی اور شہاب الدین بری طرح سے مغلوب ہوا۔ لیکن پرتھی راج کی نادانی! اس موقعہ پر اس نے شہاب الدین کی جان بخشی کی اور اس کو واپس جانے کا حکم دیا۔

اسکے بعد پرتھی اجمیر لوٹ آیا تو خبر ملی۔ سومیشور چندراوتی کے محاصرہ میں بھیم دیو کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ گو آخر میں پرمار ہی کو فتح نصیب ہوئی تھی۔ اس لئے پرتھی راج کا راج تلک بھی کیا گیا اور راج پروہت نے اس کے ساتھ اچھن کماری کا بیاہ کرا دیا۔ اور وہ اس کی پٹ رانی بنی۔

اچھن کماری مزاج کی بہت ہی نیک تھی۔ وہ کملا دیوی سے روز

پاؤں لگتی اور بغیر اس کی رائے کے کوئی کام کاج نہ کرتی تھی۔ اکثر لوگ غلطی سے کہا کرتے ہیں کہ ہندو رانیوں کو راج کے کام میں بہت کم دخل تھا۔ مگر اصلیت یہ ہے کہ کوئی ہندو راجہ ایسا نظر نہیں آتا جو اپنی رانیوں سے صلاح نہ لیتا رہا ہو۔ اچھن بالخصوص شاہی معاملات کے سمجھنے میں عقل رسا رکھتی تھی۔ پرتھی راج ہمیشہ اسکی رائے کے موافق کام کرتا تھا۔ اچھن کماری میں ایک خاص وصف یہ تھا کہ وہ راج کے ہر خاص و عام کی باتوں سے واقفیت رکھتی تھی۔ مجال نہیں کسی درباری کے یہاں کوئی بات چیت ہو اور اس کو خبر نہ ملے +

کچھ دنوں بعد۔ رانی کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جس کا نام اِشہادتی راولکھاوتی رکھا۔ یہ بھی شکل و صورت۔ سمجھ بوجھ میں ماں کی طرح تھی۔ دونو باپ ماں دونوں اس کو پیار کرتے تھے +

پرتھی راج کے وزیروں میں سے کیا اِش داہی نام جو سب سے بڑا منتری تھا۔ اپنی عقل زور اور دانائی کے لئے مشہور تھا۔ پرتھی راج اس کو بہت چاہتا تھا۔ مگر ایسا واقعہ ہوا کہ اس نے راجہ کی ایک مدخولہ عورت سے جس کا نام کرناٹکی تھا۔ ناجائز تعلق پیدا کر لیا۔ جب اچھن کماری کو خبر ملی اس کو وزیر پر سخت غصہ آیا۔ وہ دن اس کا فکر میں ختم ہوا۔ جب شام کو پرتھی راج آیا اس نے کہا "آپ خوب آئے میں آج آپ کے انتظار میں تھی"۔ پرتھی راج بولا "دیر کیا؟ کیا اور روز آپ کو انتظار نہیں رہتا تھا"۔ رانی نے انگلی کے اشارے سے دکھلایا۔ وزیر اعظم کرناٹکی کے یہاں بیٹھا ہوا تھا۔ پرتھی راج نے تیر کو کمان سے جوڑ دیا۔ دوسرے لمحہ میں وزیر زمین پر آ رہا۔ وہ دوسرا تیر چلانے ہی کو تھا کہ اچھن کماری نے ہاتھ پکڑ لیا "وہ بہادر کشتری کبھی عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتے"

پرتھی راج نے بعد کو اپنی تختگاہ دہلی کو منتقل کیا۔ اس وقت بھارت کھنڈ میں
اس سے زیادہ طاقتور کوئی راجہ نہیں تھا۔ سب اس کو اپنا افسر سمجھتے تھے
شہاب الدین کو فکر تھی کسی طرح ہندوستان پر عمل دخل ہو۔ وہ موقع کا طالب
تھا۔ مگر کوئی موقع نہیں ملتا تھا اس نے شکست پر شکست کھائیں۔ مگر استقلال
سے موقع کا انتظار کرتا رہا۔ ادھر ایک طرف پرتھی راج اپنی طاقت کے نشہ میں
چور تھا۔ دوسری طرف جے چند قنوج کا راجہ سنجوگتا کے سوئمبر میں زک اٹھانے کی
وجہ سے اس کا دشمن بن گیا تھا۔ سوئمبر کی لڑائی میں اسکے منتخب سردار جو دہلی کے
پایہ تخت کہے جا سکتے تھے۔ کام آ ئے اور گنے گنائے دو چار آدمی باقی رہ گئے
تھے پھر تھے بہت سی عورتوں سے شادی کر لینے پر راجہ عیش پرست ہو گیا تھا
جہاں اس قدر خرابی کے سامان موجود ہوں۔ وہاں سے خیر و برکت اٹھ
جاتی ہے ۱۱۹۳ء میں شہاب الدین پھر مقابلہ کیلئے آکر کھڑا ہو گیا پہلی لڑائی
میں اس کو پھر شکست ملی اور وہ بھاگ گیا راجپوتوں نے سمجھا اب وہ مقابلہ پر نہ آویگا
انکی پھر فوج تو دہلی چلی آئی۔ کچھ فتح کی راگ رنگ رلیاں مناتی رہی۔ دیجے سنگھ
نامی ایک رشتہ دار در اصل شہاب الدین سے مل گیا تھا۔ جب رات کو سب
شراب و کباب میں مست تھے۔ وہ چپ چاپ اٹھا۔ اور اپنے یگانے
راجپوتوں کو بیگانوں کی فوج میں جا کر داخل ہو گیا۔ اس دشوا اس گھاتی
نے شہاب الدین کو سمجھا کر مقابلہ کیلئے تیار کیا۔ پھر کیا تھا حملہ کر دیا گیا۔
راجپوت مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے کتنے آدمی مار گرائے۔ مگر وقت آچکا تھا
بھارت کے ماتھے پر غلامی کا ٹیکا لگنا بدا تھا دیجے سنگھ کی مکاری سے کلیان سنگھ
بھی مارا گیا۔ پرتھی راج زخمی ہو کر گر پڑا۔ اور بیہوشی کی حالت میں گرفتار ہو گیا
مصیبت کے دن جب آتے ہیں ہر طرف سے دقتیں پیش آتی

ہیں۔ اوشاوتی پرتھی راج کی لڑکی سخت بیمار تھی۔ رانی اُس کی کھاٹ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ جب خیمہ کے باہر گھبراہٹ کا شور سُنا۔ رانی کے کان کھڑے ہوئے اتنے میں دو کشتری ہانپتے ہوئے آئے اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہنے لگے "بھاگ جاؤ۔ عزت و جان بچالے جاؤ"۔ ایک نے پوچھا کیوں بھاگیں؟" سپاہی گھبرائے ہوئے تھے۔ کہنے لگے یہ بات چیت کا وقت نہیں جلدی بھاگو۔ دشمن لوگوں کی فتح ہو گئی۔ شاہی خیمہ لوٹنے کے لئے مسلمان چلے آرہے ہیں۔ دیر میں عزت و آبرو کا خوف ہے"۔ رانی بولی "مہاراج کہاں ہیں؟" جواب دیا گیا راجہ کو ہم نے زمین پر پڑا ہوا دیکھا"۔

یہ خبر سنکر اوشاوتی گھبرا گئی نگاہ اُٹھا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ رانی نے دریافت کیا "سمر سنگھ کا بیان کہاں ہے۔ سپاہیوں نے جواب دیا وہ قتل ہوا وہ لڑتے لڑتے تھک گیا تھا مسلمانوں نے مار ڈالا اور یہی حال یوراج کلیان سنگھ کا بھی ہوا" اتنا سننا تھا کہ راج کنیا چلا اُٹھی۔ ناتھ پران ناتھ تم بدوا اگنی میں آہوتی ہو کر جل مرے"۔ یہ کہکر وہ بیہوش ہو گئی آنکھیں بند ہو گئیں اور پھر نہیں کھلیں۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آیا جس دن سے لڑکی بیمار تھی۔ ماں نے دانہ پانی ترک کر دیا تھا۔ رات دن تیمارداری میں مصروف رہتی تھی۔ وہ بھی ان دردناک واقعوں کو سنکر بے ہوش ہو گئی۔ لونڈی نے مُنہ پر گلاب چھڑکا۔ جب ہوش آیا۔ وہ بادلی بن کر چیخنے لگی۔ راج چھوٹا شوہر چھوٹا۔ لڑکی چھوٹی۔ تینوں ایک ساتھ رخصت ہو گئے۔ مگر میں نہیں مری۔ اُس نے لڑکی کو سینے سے چمٹا لیا۔ بیٹی تو نے باپ کا ساتھ دیا۔ میرا سنسار میں کوئی نہیں رہا میں اب کس کی ہو کر رہوں کس کے آسرے

جیوں رہیں نے کیوں پتی کا رن میں ساتھ نہیں دیا دہکار ہے میرے جینے کو"
سپاہی کہنے لگے "رانی صاحبہ. شور وغل بڑھتا جارہا ہے دشمن سر پر موجود
ہے۔ بہتر ہے اب آپ یہاں سے شہر کو چلئے" یہ سن کر رانی کو ہوش آیا۔
اس نے اسی وقت تمام زیور اور خوبصورت لباس اتار دیئے۔ سر کے
بال کھل گئے۔ اور جیسے کوئی باولی باتیں کرتی ہے اسی طرح بکنے لگی "مجھے اب
کس کی ڈر ہے۔ مجھ کو اب کس کا ڈر ہے جس کی فکر تھی۔ اس کے ساتھ گئی
جس کا ڈر تھا اسکے ساتھ گیا۔ مال ومتاع سب لٹ گیا۔ اب کیا رہا ہے۔ جس
کو میں بھاگ کر بچاؤں۔ اب اور کون سی مصیبت آوے گی۔ ماں راج
اولاد سب تو چھوٹ گئے چلو چتا تیار کرو بہت باتیں نہ بناؤ اور پیچھے میرا
کیا کرلیں گے۔ میں شیر مرد کی استری ہوں مجھ کو کس کا ڈر ہے جس کو بھاگنا ہو بھاگ
جائے۔ جس کو جان پیاری ہو وہ جان بچا لیجائے۔ میں نے اس کو ذبح
کیا۔ مہاراج نے اس کی جان بخشی کی تھی۔ وشٹ کو ذرا بھی دیا نہیں آئی
مجھ کو یوں ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ میں آگ ہوں سب کو جلا دونگی۔ یہ دنیا.
یہ لکشمی۔ یہ عزت وحرمت سب ناپائیدار ہیں۔ میری پتی گیا میرا استری دھرم
میرا پتی کا پریم یہ کبھی ناشمان نہیں ہے۔ چلو دیر نہ کرو۔ چتا جلاؤ۔ راجہ کی لاش
ابھی ٹھنڈی نہ ہوئی ہوگی۔ میں بھی ساتھ ساتھ سورگ کو جاؤنگی۔"

رانی کے بہادری کے الفاظ سنکر راجپوتوں کو جوش آگیا لوگوں نے راجکماری
اوشاوتی کو اٹھالیا۔ تھوڑی دور لیجا کر چتا تیار کردی۔ اوشاوتی کی لاش
چتا پر رکھدی گئی۔ رانی بھی خیمہ سے نکل کر چتا کے قریب آئی اس کی
آنکھ میں آنسو کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ نہ کسی طرح کا خوف معلوم ہوتا تھا
وہ ایک سنگ مرمر کی دیوی کی مورتی بن گئی تھی۔ اس کے جسم پر

کہیں چھری یا شکن کا نام تک نہیں تھا۔ داسیوں کا گروہ اسکے پیچھے پیچھے روتا ہوا آ رہا تھا۔ رانی نے چتا کے پاس آ کر ماتھے پر چندن لگا لیا گلے میں سفید پھولوں کا ہار ڈال لیا۔ اور چتا کی پر وکشا کرنے لگی۔ قریب تھا کہ وہ اس پر بیٹھ کر جان دیتی۔ کہ ایک رشتہ دار گھوڑا دوڑاتا ہوا اُدھر آ نکلا۔ یہ فوج کا جرنل بھی تھا گھوڑے سے اُتر کر وہ جھٹ پٹ رانی کے پاؤں پر گرا اور اس کے پیر سے چمٹ گیا۔

اچھن کماری بولی "بلدیو سنگھ یہ کیا ہے۔ کیا چاہتے ہو۔ جو کچھ کہنا ہے جلد کہو۔ دیر نہ کرو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے" وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ لڑکھڑاتی زبان سے کہا "دیوی! مہاراج نے تم کو ایک پیغام دیا ہے رانی کو حیرت ہوئی۔ ہائیں! پیغام کیسا! میرا مالک او شادتی کا پتا دلی کا راجہ وہ تو میدان میں مارا گیا۔ تم کس کا پیغام لائے ہو؟" بلدیو سنگھ نے جواب دیا دیوی! ماتو شری؟ راجہ گھائل ہو گئے۔ زمین پر گر پڑے بے ہوش ہو گئے۔

مگر رانی بولی "اس مگر سے کیا مطلب ہے سچی بات کیوں نہیں کہتے میرا حکم ہے دیر نہ لگاؤ۔ جو کچھ کہنا ہے جلد کہو" بلدیو سنگھ کا دل بھرا ہوا "دیوی راجہ قید ہے وہ مسلمانوں کے ہاتھ میں پڑا ہے" رانی کی آنکھیں زیادہ سُرخ ہو گئیں "دلی پت کا کیا پیغام ہے اور یہ پیغام تم فوج کے سردار کو سنانے آئے ہو۔ تم سچے کشتری ہو۔ تمہاری ماتا دھنیہ ہے کہ راجہ تو قید میں پڑا ہے اور تم اس طرح پیغام سنانے کی جرات کرتے ہو اور وہ بھی مجھ کو! سیہ کو! داسیو! سن لو۔ یہ کشتری کا لڑکا۔ ہماری فوج کا سپہ سالار۔ دلی پت کا داہنا ہاتھ راجہ کا ساتھ چھوڑ کر دھرم

سے منہ موڑ کر مجھ کو پیغام سنانے آیا ہے آج سے کشتری دھرم نشٹ ہو گیا اِن کی ہمت پرا دس پڑ گیا۔ راج بھگتی۔ ویش بھگتی۔ دھرم بھگتی جاتی رہی۔ اب پیغام سنانے والے رہ گئے۔ دھنیہ ہے راجپوت تیری زبان! دھنیہ ہے تیرا گھوڑا دھنیہ ہے تیری تلوار! تو میدان سے آرہا ہے۔ کیا تیری استری تجھ کو دیکھکر خوش ہوگی؟ کیا تیری ماتا کی چھاتی تجھکو دیکھکر نہ پھٹ جائیگی۔ پیغام سنانے والا راجپوت! تجھ کو شرم نہیں ہے۔ جاؤ۔ نگاہ سے دور رہو۔ مُنہ مت دکھاؤ۔ میں دہلی پت کی بیچی پر جا ہوں میں راج پرائن ہونا ضروری سمجھتی ہوں۔ تم شیر سے گیدڑ بن گئے۔ رن میں پاؤں نہیں گاڑ دیا۔ وہاں سے بھاگ آئے۔ تمہارا راج کا پاس نہیں کیا اور اُس کی استری کو پیغام سنانے آیا ہے کمبخت! تونے کسی چھترانی کا دودھ نہیں پیا ہے تجھ کو اپنے دیش کی آزادی پیاری نہیں۔ تمہارے ایسے لوگ کل کے دیش کے راج کے کلنک ہوتے ہیں۔ تجھ کو پیغام مت سنا میں اب بھی کشتری کی کنیاں ہوں مصیبت آئی ہو آئے۔ پہاڑی گرنے کو ہو سر پر گرے میں دھرم کے مارگ سے کبھی نہ ہٹونگی میں راجیشوری ہوں بادیو سنگھ نظر سے دور رہو!

رانی نے پھر اور لوگوں کی طرف نگاہ کیا "اسکے ہاتھ سے تلوار لے لو" اور جب بادیو سنگھ کی تلوار اچھن کماری کے ہاتھ میں دی گئی وہ چھلانگ مار کر سیتا پتی کے گھوڑے کی پیٹھ پر آرہی۔ اس وقت اس کی شوبھا دیکھنے کے لایق تھی ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ سر کے کیس کھلے ہوئے ہیں۔ پیشانی پر چندن لگا ہوا ہے اور وہ خوفناک صورت بنی ہوئی گھوڑے کی کاٹھی پر بیٹھی تھی۔ اُس نے سپاہیوں سے کہا۔ پرجا کا دھرم ہے راجہ کی رکشا کرے۔ میں اپنے دشمنوں سے لڑ کر چھڑا لاؤنگی۔ یہ جان راجہ کی ہے۔ یہ جسم راجہ کا ہے یہ ہاتھ اور سر راجہ

کا ہے۔ اور راجہ کے کام میں کٹ کٹ کر گر ینگے" راجپوتوں کو اسکی بات سن کر جوش آگیا "ماتا! جب تک جان میں جان ہے۔ ہم لڑنے سے منہ نہ موڑینگے مرینگے۔ مارینگے۔ کٹینگے۔ کاٹینگے فتح وشکست ایشور کے ہاتھ ہے" بلدیو سنگھ افسوس سے ہاتھ ملنے لگا "میں اب کیا کروں راجہ کا تو حکم تھا کہ رانی کو عزت کے ساتھ اورجگہ لے جاؤ۔ اور اس کا کیا حال ہے" جب وہ اس فکر میں تھا۔ رانی نے گھوڑے کو ایڑ لگادی۔ یہ جا وہ جا۔ وہ دشمنوں کی فوج میں جا داخل ہوئی۔ بلدیو کی جیجا! اسکے پیچھے پیچھے جا پہنچی۔ وہ شاہی خیمہ کے لوٹنے کے لئے چلے آرہے تھے۔ رانی کے ساتھیوں نے ان کے درمیان مہا پرلے مچادی رانی للکارتی جاتی تھی۔ مارو۔ ایک ان میں زندہ نہ رہنے پاوے کون بزدل شخص ہوگا جو اس کی آواز سنکر سر کٹانے کو تیار نہ ہوتا۔ نہ اسکے جسم پر زرہ تھا نہ پیٹھ سے ڈھال بندھی تھی۔ نہ کٹار کے سوا۔ کوئی ہتھیار پاس تھا۔ جو سامنے آیا۔ گاجر اور مولی کی طرح کٹتا گیا مسلمانوں کو خوف ہوا "یہ کون بہادر عورت ہے۔ جو اس بے باکی سے ہماری صفائی کر رہی ہے" لوٹنے والی فوج یا تو ماری گئی یا بھاگ گئی۔ رانی نے آگے بڑھ کر باقی مسلمان فوج کا مقابلہ کیا۔ یہاں بھی وہی حالت ہوئی۔ مگر آپ جانتے ہیں۔ ایک کیلئے دو بہت ہوتے ہیں۔ یہاں صرف اننے گنے آدمی ساتھ تھے۔ مسلمانوں نے رانی کو گھیر لیا۔ ایک شخص نے اچھل کر اسکو اپنے تیر کا نشانہ بنانا چاہا اس پر وہ ہٹ گئی۔ راجپوت جماعت نے اس کو گھیر لیا۔ اور اس طرح وہ اچھل اچھل کر لڑنے لگے کہ دشمن بھی تعریف کرنے لگے آخر ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور رانی کا کام اس نے تمام کر دیا۔ بہادر اچھن کماری زین پر سے گر پڑی۔ پھر تو وہ ہاہا کار مچ گیا کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا مسلمانوں نے چاہا کہ کسی طرح رانی کی لاش ہاتھ آجائے مگر راجپوتوں نے اسکو بچالیا۔ اور کیے بعد

دیگرے مختلف آدمیوں نے اُس کو چتا پر پہنچا دیا۔ رانی کے ساتھ جتنے دلیر راجپوت تھے۔ ایک ایک کر کے مر مٹے۔ کوئی نام لینے والا باقی نہیں رہا۔

داسیوں نے رانی کی لاش کو چتا پر رکھا۔ اس کے پہلو میں او شاوتی کو جگہ دی گئی پھر چتا میں آگ لگائی گئی۔ چتا میں چندن۔ گھی۔ کپور۔ وغیرہ بہ افراط تھا۔ آگ تیز ہوتی گئی۔ اور جب رانی کا جسم جلنے لگا۔ دوسری عورتیں پانچ پانچ دفعہ چتا کے گرد پرکرما کر کے اس پر پروانہ کی طرح گرتی گئیں۔ ان کی بہت تعداد تھی۔ پہلے آگ کا ایک بہت اونچا ستون آسمان تک بلند ہوا۔ جس کے ہر چہار طرف روشنی ہو گئی شام ہوتے ہوتے۔ کثیر تعداد نیکبخت وفادار قابل پرستش۔ دربا الناثیت عورتوں کے جل کر راکھ ہو گئی۔ پھر اندھیرا چھا گیا۔ اور اس وقت سے لیکر آج تک بھارت میں برابر اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ کسی طرف روشنی کی جھلک نظر نہیں آتی۔

دلی پت فیا ہو کر غور گیا اور وہاں قتل کیا گیا۔ بھارت کا راج چھن گیا۔ بدیشی لوگ اس پر قابض ہو گئے۔ ہندوؤں کا دھرم نشٹ بھرشٹ ہوا۔ ایک کو دوسرے سے محبت نہیں رہی۔ دھرماتما تو ایک بھی نہیں۔ پیغام سنانے والے بکثرت ہیں۔ جو تقریروں سے تحریروں سے بات سے چیت سے کلیجہ کو چھید دیتے ہیں۔ مگر ایسا ایک بھی نہیں ہے۔ جو ان کو محبت کی تعلیم دے۔ الفت کا سبق سکھائے۔ ہا ایشور! کیا یہ حالت ہمیشہ رہے گی!

اچھن کماری تو دھنیہ تھی۔ ستی! تیرا ست کیا دھنیہ تھا۔ ماتا! تیرا ماتم تو بھاؤ سچا تھا۔ نیکنام دیوی! تو مر گئی۔ تیری مبارک موت ہر ایک نیک شخص کو نصیب ہو۔ اور ایشور کریں۔ ہمارے پڑھنے والوں کے دلوں میں

تیرا برتا نت سنکر وپش بھگتی کا اُنکر پیدا ہوا۔

حالت کسی کی ایسی بُری یا خدا نہ ہو
کوئی بلا میں ہم سا کبھی مبتلا نہ ہو

۱۰۔ موہنی

شبد ہی مارے بن گئے، شبد ہی تجیا راج
جو یہہ شبد بویکیا۔ تا کا سریا کاج
چوٹ سو ہیلی شبد کی۔ پٹرت ہی لینا سوالش
چوٹ سہے جو شبد کی۔ تا سو گورو میں واس
سیتلیا تب جانئے۔ سمہج ہی رہے سمائے
پکش تجے نرپکش ہوئے، شبد سے دکھ نہ پائے

موہنی بیرم دیو۔ اندر کے راجہ کی دھرم پتنی تھی۔ یہ قوم کی بھاٹی اور رام پور کے راجہ کی لڑکی تھی۔ یہ اپنے شوہر پر دل وجان سے فدا رہتی تھی۔ اور جب سے بیاہ کر پتی کے گھر آئی تھی اس کو اپنی محبت کا دیوانہ بنا لیا تھا۔
ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ دسہرہ کے دن راجہ کی سواری باہر نکلی اس دن راجپوتوں میں سمی کے درخت کے پوجنے کا رواج ہے۔ میدان میں ایک مست پاڑھا گھوم رہا تھا۔ کئی سرداروں نے اس کے مارنے کی ہمت

کی مگر پاڑھے نے بہتوں کو زخمی کر دیا۔ اور اچھلتا کودتا ہوا شہر کی طرف جا نکلا راجہ کو سخت غیرت آئی۔ اگر پاڑھا دسہرہ کے دن بغیر قتل کئے ہوئے بچ گیا تو شرم کی بات تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ جب جانور دروازہ کے قریب پہنچا راجہ نے اس کو اپنی تلوار کا نشانہ بنایا۔ یا تو وہ کسی کے ہاتھ آنے والا نہ تھا۔ یا اس نے اس کو اس طرح آسانی سے مار کر گرا دیا۔ اس خوشی سے اس کا جسم اتنا پھول گیا کہ بدن سے کپڑے کا نکالنا مشکل ہوا۔ راجہ رنواس میں گیا۔ اس کو پاڑھے کے مارنے پر ناز تھا۔ کپڑا جسم سے اترتا نہیں تھا۔ موہنی پاس کھڑی تھی اس نے ہنس کر کہا "پران ناتھ! آپ نے ایک گھاس خور جانور کو مار دیا یہ کیا جوانمردی ہے۔ اگر کہیں میرے وطن کے پاڑھے کو مارا ہوتا تو بات تھی۔ ایسے پاڑھے تو استریاں بھی آسانی سے ایک ہاتھ سے مار سکتی ہیں۔" راجہ اس بات سے سخت شرمندہ ہوا۔ سمجھا رانی نے میری بے عزتی کی ہے۔ اسی وقت غصہ کے لہجہ میں کہا "استری! جب میں تیرے باپ کے گھر حملہ کروں گا پاڑھا مارونگا۔ تب تیرے محل میں آؤنگا" رانی اس بات کو سنکر دنگ ہو گئی۔ کیا کہتی۔ چپ کھڑی رہی۔ بات منہ سے نکل چکی تھی۔ راجہ باہر چلا آیا۔ اور کئی دن بعد ایک بہت بڑا زبردست پاڑھا منگا کر محل میں بندھوا دیا اور رانی کی طاقت کا امتحان لینے کے لئے اس کو بلا بھیجا اور پاس بٹھا لیا۔ رانی چالاک تھی سمجھ گئی۔ راجہ نے کس خیال سے بلایا ہے۔ مگر اصل میں کشترانی تھی امتحان کی اس کو تو کچھ پرواہ نہیں تھی۔ مگر راجہ سے عاجزی کے ساتھ کہنے لگی مہاراج! داسی حاضر ہے۔ کیا حکم ہے؟ راجہ بولا "یہ پاڑھا تمہاری نذر کیا جاتا ہے۔ تم نے کہا تھا۔ پاڑھا استریاں ایک ہاتھ سے ہلاک کرتی ہیں" رانی نے کہا "سوامی! میں کمزور ابلا ہوں۔ میرا امتحان

آپ کیوں پیتے ہو" راجہ ہنسا" اچھا اپنے قول کو واپس لے لو" رانی نے قہقہہ مارا کشتری جاتی اور قول کو واپس کرے! یہ غیر ممکن ہے" اور اسی وقت راجہ کے ہاتھ سے تلوار لیکر پاڑھے کی گردن پر اس کی تلوار گری اور وہ جھٹ محل کی طرف تیزی سے چلی گئی۔ ادھر وہ محل کو گئی ادھر جانور کا سر تن سے نیچے گرا۔ سب رانیوں کو تعجب ہوا اور راجہ کا غرور دور ہو گیا۔

راجہ نے پھر رانی کو بلا کر کہا "تم اب اپنے وطن کو جاؤ اور ایک مضبوط پاڑھا منگا کر تیار کرو۔ تاکہ ہمارے تمہارے درمیان جو غلطی سے اختلاف پڑ گیا ہے۔ دور ہو جائے" رانی پتی ورتا تھی۔ راجہ کو سلام کر کے رام پور چلی آئی اپنے باپ کو سارا حال کہہ سنایا اور ایک پاڑھا منگا کر اس کو پالنے لگی دوسرے دسہرہ کا دن آ پہنچا۔ راجہ تو عیش و آرام میں پڑ کر اپنی بات کو بھول گیا۔ تب رام پور کے دیوان نے جا کر اس کو رانی کا پیغام سنایا وہ غصہ سے کہنے لگا مجھے پہلے سے کیوں نہ کہلا بھیجا۔ مگر وہ اُسی وقت رامپور کی طرف روانہ ہوا۔ اور جب قریب پہنچا ایک برگد کے درخت کے تلے بیٹھ گیا۔ رامپور کے راجہ نے اسکے استقبال کیلئے اپنے بھاٹ کو پہلے سے بھیج دیا اس نے آکر رام رام کیا۔ راجہ تھکا ہوا تھا۔ نہ مخاطب ہوا۔ نہ اس کی رام رام کا جواب دیا۔ بھاٹ مزاج کا غصہ ور تھا۔ دشمنی کی آگ دل میں مشتعل ہو گئی۔ وہ جانتا تھا۔ راجہ کس غرض سے آیا ہے اس نے شہر میں پہنچکر پاڑھے کیساتھ مست شیر کے بھی کٹھ گھرے سے چھوڑنے کا حکم دیدیا۔ پاڑھا آگے آگے چلا اور شیر اُسکے پیچھے چھوڑ دیا گیا۔ جب باجے بجنے لگے شیر بھڑک اٹھا اور اس طرف جا نکلا جدھر راجہ بیٹھا تھا۔ کیونکہ ہر طرف سے آدمیوں نے گھیر رکھا تھا۔

جس وقت رانی نے یہ خوفناک خبر سنی اُس کے ہوش اڑ گئے۔ کون جانے

کیا کیا پیش آئے اس لئے بھائی راجہ اور رانی دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر اس سمت کو چل نکلے۔ تاکہ وقت پر اس کی مدد کر سکیں۔

راجہ نے جس وقت پاڑھے کو آتے دیکھا۔ اسکے ہوش خطا ہو گئے کیونکہ وہ سچ مچ خوفناک اور لمبا چوڑا۔ وہ سنبھل کر اُٹھا اور مارنے کیلئے تیار ہو گیا اتنے میں شیر کی گرج سنائی دی۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ وہ اکیلا اور دو خوفناک نوروں کا سامنا! کیا کرے نہ کرے۔ پاڑھے کا مارنا لازمی تھا۔ بیچارہ ادھر جھکا۔ ادھر ابھی جانور کے قتل سے بمشکل نجات ملی تھی۔ کہ شیر تڑپتا ہوا اُسکے پاس آ پہنچا۔ کون جانے اس کا کیا حال ہوتا۔ مگر اسی وقت موہنی گھوڑا دوڑاتی ہوئی پہنچی اور اچھلتے ہوئے شیر کو اپنے بھالے پر اس طرح روک لیا۔ جیسے لوگ گیند کو روک لیتے ہیں اور دم بھر میں اس کا کام تمام کر دیا۔ راجہ نے رانی کی جرأت دیکھکر خوشی ظاہر کی۔ خاوند بیوی خوشی سے ملے۔ بیرم دیو کو یہ خیال ہوا تھا۔ کہ رامپور کے راجہ نے اس سے دغا کیا۔ مگر رانی نے غلط فہمی دور کی اتنے میں رامپور کا بھائی راجہ بھی آ گیا۔ بیرم دیو چند روز اس کا مہمان رہا۔ جس جگہ شیر مارا گیا تھا۔ وہاں بطور یادگار ایک ستون نصب کیا گیا جس کا نام "موہنی استھمب" رکھا گیا۔

پھر یہ دونوں وہاں سے واپس آ کر اندر میں محبت و الفت کے ساتھ رہنے لگے اور ان کی باقی زندگی خوشی و آرام میں بسر ہوئی +

تمام شد

[illegible]